قیمت سالانہ عوام سے دو روپے (عـہ) اور طلباء سے ایک روپیہ (عـہ) غیر ممالک والوں سے (۸عـہ)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

رسالہ

تشحیذ الاذہان

ایڈیٹر۔ صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

نمبر ۳ بابت ماہ مارچ ۱۹۱۱ء جلد ۶

فہرست مضامین

باہتمام چوہدری عبدالسلام صاحب مینجر قادیان سے ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ و ست سلاجیت

اصلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان عرصہ سے شایع ہو رہا ہے اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب مدظلہ العالی کے مجوزہ نسخہ کے موافق طیار کیا جاتا ہے۔ اور اصلی ممیرا جسکو خود حضرت نے اس سرمہ کے متعلق تصدیق کی اسمیں ڈالا جاتا ہے حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ "برائے امراض چشم بسیار مفید است" اس شہادت کے بعد مجھے کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کئی لاکھ افراد کا امام جو طبی حیثیت اور تجربہ سے بھی طبی امام کہلانیکا جائز حقدار ہے اسکے مفید ہونیکی شہادت دیتا ہے۔ یہ سرمہ دھند جالا پھولہ پڑوال سبل اور سرخی ابتدائی موتیابند وغیرہ امراض چشم کے لیئے بہت مفید ہے۔ قیمت سرمہ قسم اول فی تولہ عا قسم دوم عہ قسم سوم عہ اصل ممیرا قسم اول ؎ دوم عہ۔ ترکیب استعمال۔ یہ ممیرا پتھر پر گھسکر آنکھوں میں ڈالا کرے۔ یہ ممیرا خاصکر گرمی وغیرہ کے موسم میں جو بیمار ہوتے ہیں۔ بہت مجرب ہے۔

ست سلاجیت (نقل از محیط اعظم)

مقوی جمیع اعضا نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر و جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و تپ و خیت و فساد و بلغم و ریاح و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل البول و سیلان منی و یبوست درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کیوقت دودھ کے ساتھ استعمال فرماویں قیمت فی تولہ ۱۲

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ اور سفید ماشی ریشمی اور سوتی ٹسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری توپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں

المشتہر۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شناختِ مذہب

اس دنیا دار الابتلا میں سینکڑوں اور ہزاروں ہی مذاہب ہیں جن کا (باستثنائے اسلام) اگرچہ خود تو دعویٰ نہیں کہ وہ کامل ہدایت کے ذمہ دار ہیں۔ مگر ان کے پیرو مصداق "پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند" اپنے اپنے مذہب کی تعریف میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مبالغہ آمیز دعاوی کے طومار لگا رہے ہیں۔ لیکن محققانہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو ان مبالغوں کی ذرا بھی حقیقت نہیں ہوتی۔ یونہی اپنے مذہب کو خوبصورت دکھانے کے لیئے ان ملمع سازیوں سے کام لیا جاتا ہے ان مریدوں نے مذہب اس بات کو سمجھ رکھا ہے کہ دوسروں کے مذہب پر بے بنیاد اور بے حقیقت اعتراضات جڑے جاویں اور اپنے مذہب کی تعریف میں ہر ایک قسم کا غلو کر کے پبلک کو دھوکہ دیا جائے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جو اصولوں کو چھوڑ کر جزئیات کی تفتیش شروع کر دیتے ہیں جس سے عوام پر ایک بات مشتبہ رہتی ہے اور کسی طرح سے انکے دلوں کو تسلّی اور یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ یاد رہے کہ مذہب کا تعلّق کسی خاص گروہ ہی سے نہیں بلکہ عام لوگوں کے ساتھ ہے لہذا شناخت مذہب کے لیئے بھی ایسے ہی اصول ہونے چاہئیں۔ جو عام فہم ہوں

پیشتر اس کے کہ میں ان اصولوں کو ذیل میں بیان کروں۔ ناظرین کی سہولت کے لیئے یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انسانی زندگی کا مدعا کیا ہے۔ کیونکہ کسی مذہب کی سچائی کی شناخت کا سارا دار و مدار صرف اثبات

پر ہے کہ آیا وہ مذہب اُس مدعا کو کما حقہ پورا کرتا ہے کہ نہیں اگر وہ مذہب اس مدعا کو ہر رنگ اور ہر پیرایہ میں پورا کرتا ہے تو یقیناً سمجھ لو کہ وہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ نہیں۔ پس انسانی زندگی کا مدعا جیسا کہ قانون قدرت سے معلوم ہوتا ہے ایک بالاتر اور غیب در غیب ہستی کی فرمانبرداری ہے کیونکہ ہم منظر قدرت میں دیکھتے ہیں کہ تمام موجودات اپنے سے اعلیٰ ہستی یعنی ایک انسان کی خاطر اپنے اپنے دایرے میں اپنے اپنے فرائض کو پورا کر رہے ہیں۔ اس سلسلۂ قدرت پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ انسانی وجود کا انتہائی مدعا اپنے سے اعلےٰ ہستی یعنی خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری ہونی چاہیئے۔ اور قرآن شریف اس مدعا کو بایں الفاظ بیان کرتا ہے وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون یعنی جن اور انس کو مینے اسلیئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ عبادت کے معنے تخلقوا باخلاق اللہ کے ہیں یعنی خدا تعالےٰ کے اخلاق کے مطابق اپنے اخلاق کو بنانا۔ جسکو دوسرے الفاظ میں صبغۃ اللہ کہتے ہیں یعنی خدا تعالےٰ کے رنگ میں رنگین ہو جانا یہی عبادت کا اصلی مفہوم ہے اور یہی انسانی زندگی کا حقیقی مدعا ہے عقل بھی اس بات کو ماننے کے لیئے ہر طرح سے تیار ہے کیونکہ انسان خدا تعالیٰ جیسے اخلاق و اوصاف کے ساتھ ہی اپنے فرائض منصبی یعنی حقوق نفس اور حقوق عباد کو کما ینبغی پورا ادا کر سکتا ہے جس شخص کے اخلاق و اوصاف اپنے خالق کے اخلاق و اوصاف کی مانند نہیں ہیں وہ ہرگز مخلوق اور اپنے نفس کے حقوق کو پورے طور سے ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے انسانی زندگی کا اصل اور اول مدعا عبادت اللہ ہی ٹھہرتا ہے پس سب سے اول اور ضروری اصول کسی مذہب کی شناخت کے لیئے یہ ہوگا کہ اس مذہب میں خدا تعالیٰ کی نسبت کیا تعلیم ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی توحید و تفرید۔ اس کی

قدرت وعظمت اس کے علم اور فضل اور اس کی سخا اور رحمت اور دیگر لوازمات الوہیت کے متعلق کیا بیان کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی مذہب اللہ تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ اور کمالات عظیمہ اور اس کے حسن و احسان کا ہوبہو نقشہ نہیں کھینچتا۔ اور اپنے پیرو کو ایک کامل معرفت نہیں بخشتا تو یقیناً سمجھو کہ وہ انسانی رشتہ کو بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ہرگز گانٹھ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی وہ مدعا کو پورا کر سکتا ہے کیونکہ ناقص علم ناقص ہدایت کا اور کامل علم کامل ہدایت کا رہنما ہے پس ظاہر ہے کہ جو مذہب خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک نہیں قرار دیتا اور ماسوا اللہ کو اس کے برابر ٹھہراتا۔ یا انکی پرستش سے اپنے پیرو کو منع نہیں کرتا ہے وہ مذہب خدا تعالیٰ کی حقیقی عزت اور عظمت دلوں میں ہرگز ہرگز قائم نہیں کر سکتا جو مذہب قادر و مطلق خدا کی قدرت کو ناقص خیال کرتا ہے اور جہاں تک امکان قدرت ہے وہاں تک اسکی قدرت کے سلسلہ کو نہیں پہنچاتا وہ ہرگز ہرگز کامل ہدایت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ کامل ہدایت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا تعالیٰ کی وسیع قدرتوں پر ایمان لایا جائے جو مذہب علیم و حکیم خدا کے علم اور حکمت کو ناقص خیال کرتا ہے وہ اپنے پیرو کو بدی کے زہریلے اثر سے ہرگز ہرگز پاک و مطہر نہیں کر سکتا۔ جو مذہب خدا تعالیٰ کے سزا اور رحمت کے قانون میں افراط تفریط کی راہ لیتا ہے یا اس کی رحمت عامہ کے برخلاف کسی خاص قوم سے خدا تعالیٰ کے تعلق اور روحانی نعمت کے وسایل کو مخصوص رکھتا ہے وہ مذہب نہ ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نہ ہی عاجز بندے کا تعلق اس عظیم الشان محسن سے قائم کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اخلاق و اوصاف حمیدہ اس کی قدرتوں عظمتوں اسکی رحمتوں اور بخششوں کے متعلق وہ مذہب کیا تعلیم دیتا ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ مذہب انسانی نفس اور اس کے

چال چلن کے متعلّق کیا تعلیم دیتا ہے کیا وہ کوئی ایسی تعلیم تو نہیں دیتا جو انسانی حقوق کے باہمی رشتے کو توڑتی ہے اور اسکو حیا و شرم کے برخلاف دیوثی کی طرف کھینچتی ہے اور یا کوئی ایسی تعلیم تو نہیں جو اللہ تعالےٰ کے قانون قدرت کے مخالف اور مبائن پڑی ہو جس کی پابندی غیر ممکن اور منتج خطرات ہو۔ اور یا اسکی پیش کردہ تعلیم میں ایسی فروگذاشتیں ہوں جن کیوجہ سے قسم قسم کے مفاسد کا سدباب نہ ہو سکتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ مذہب کبھی خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ مذہب حقوق نفس اور حقوق عبادت کو قائم رکھتا ہے اور ایسے احکام سکھلاتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کو عظیم الشّان محسن قرار دیکر بندہ کا رشتۂ محبّت اس سے مضبوط کرتے ہیں ایسا مذہب یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے

تیسرا اصول شناخت مذہب کے لیئے یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ آیا اس مذہب میں خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور رحمتوں کے زندہ آثار موجود ہیں۔ یا وہ ایک فرضی خدا اپنے پیرووں کے سامنے پیش کرتا ہے جو محض قصّوں اور کہانیوں کے سہارے پر کھڑا ہے۔ زندہ مذہب وہ ہے جس میں زندہ خدا اپنے فوق العادت نشانات دکھلا کر اپنی ہستی کا آپ ثبوت دیتا ہے نہ یہ کہ وہ اپنی ہستی کے لیئے خود مذہب کا محتاج ہو مردہ مذہب کبھی بھی زندگی کے آثار نہیں دکھا سکتا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے پس جو مذہب اپنا تازہ بتازہ پھل نہیں دیتا یقیناً سمجھ لو کہ وہ مردہ مذہب ہے۔ اس اصول کو مدّنظر رکھکر اپنے چاروں طرف نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ کونسا مذہب ہے جس کی پیروی کرنے والے اپنے حقیقی محبوب سے ملتے رہے اور ایک دنیا کو مقابل پر بھلا کر اس زندہ خدا کی قدرتوں کا جلوہ دکھاتے رہے۔

ناظرین! یہ تین اصول ایسے ہیں جن سے ہر کوئی حقیقی مذہب کی بآسانی

شناخت کرسکتا ہے پس مسیحی صاحبان اور آریہ صاحبان کو خصوصاً واضح رہے کہ جن باتوں کو وہ مذہب سمجھ رہے ہیں وہ باتیں ہرگز ہرگز مذہب نہیں کہلا سکتیں ہیں انکو باادب عرض کرتا ہوں کہ ان سچے اصولوں کے ماتحت انکی الہامی کتابیں اگر کچھہ دعاوی کرتی ہیں اور پھر ان دعاوی کا زندہ ثبوت بھی ساتھ رکھتی ہیں تو آمنا وصدقنا ورنہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور اسلام پر جو مفتریات اور اعتراضات کے طومار باندھ رہے ہیں ان سے باز آئیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ انہی اصولوں کے ماتحت قرآن کریم کی طرف سے دیگر مذاہب کو چیلنج پیش کرینگے جس کے جواب میں ویدوں کی مبالغہ آمیز تاویلات کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انکی حیثیت پبلک خوب جانتی ہے۔ (سید ولی اللہ شاہ اسسٹنٹ ایڈیٹر)

یہود کے حالات

(۱) قولہ تعالیٰ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ (سورہ بقرہ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قبل از ظہور حضرت نبی کریمؐ یہود اور نصاریٰ کو جناب نبی کریمؐ کا انتظار تھا۔ اور لوگوں پر آپ کی بشارتیں ظاہر کرتے تھے۔ مگر جب آپ کی ذات پاک نے ظہور کیا تو صاف انکار کر گئے اور طرح طرح کی تکذیبیں کرنے لگے حتی کہ تا حال انکار پر جمے ہیں۔ اور اپنے خیال میں منتظر خاتم نبی کے ہیں۔

(۲) باعثِ انکار کیا تھا۔ وہ یہ کہ وہ سمجھتے تھے کہ خاتم نبی بنی اسرائیل سے ہوگا اور تا حال انکا یہی خیال ہے حالانکہ انکا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ قولہ تعالیٰ قال انی جاعلک للناس اماما۔ قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین۔ سورہ بقر سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حضرت ابراہیمؑ

سے تھا۔ جو کہ انکو انکی اولاد کے حق میں بھی دیا گیا تھا اور جو صالح اولاد کی شرط پر تھا دیکھو قولہ تعالیٰ واللہ یختص برحمتہٖ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم سورہ بقر۔ ترجمہ اور اللہ خاص کرلیتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اب اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ متذکرہ صدر واقعات پر ہم نے یہود و نصاریٰ کو منکر حضرت نبی کریمؐ تسلیم کرلیا ہے۔ مگر اس میں ایک تدبر کرنیوالے مسلمان کو ضرور سمجھ آجائیگا کہ ایسے واقعات کے اظہار کا حضرت نبی کریمؐ پر باعث کیا تھا میرے نزدیک اس کے دو باعث تھے۔ اول تو یہود و نصاریٰ کو انکے حالات سے اطلاع دینا تھا دوسرے ہم مسلمانان کے لیئے یادداشت چھوڑی تھی۔ کہ مسلمان بھی ایک وقت پر مثیل یہود ہو جائینگے اگر میرا یہ خیال غلط ہے تو تردید کرو ورنہ تدبر سے کام لو۔

تدبر اب اس میں یہ ہے کہ ہم مسلمانان بھی عرصہ سے حضرت امام مہدی مسعود علیہ السلام کے منتظر تھے مگر جب آپ کی ذات پاک نے ظہور فرمایا۔ تو سوائے چند کے باقیوں نے صاف انکار کیا اور طرح طرح کی تاویلیں کیں اور بہت تاحال انکار پر جمے ہیں اسکا باعث کیا ہے کہ وہ خیالات ہمچو یہود و نصاریٰ دل میں ٹھانے بیٹھے ہیں کہ حضرت امام مہدی مسعود علیہ السلام بنی اسماعیل سے ہوگا حالانکہ یہ خیال آیات متذکرہ صدر کے رو ہمچو یہود و نصاریٰ بالکل غلط ہے۔ اس غلطی کو میں اوپر ثابت کرچکا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تھا جو کہ انکو ان کی اپنی ذات اور اولاد کے حق میں تھا مگر بخیال یہود و نصاریٰ صرف بنی اسرائیل کے لیئے ہی یہ وعدہ مخصوص نہ تھا اور نہ ہی بخیال غیر احمدی مسلمانان صرف بنی اسرائیل کیلئے مختص تھا۔ دیکھو تحت آیت واللہ یختص

برحمتہٖ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم ط اور اللہ خاص کرلیتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محکوم نہیں کیونکہ پیشتر وہ حضرت نبی کریم کو بنی اسماعیل سے ظاہر کرنیکے وقت بنی اسرائیل کا محکوم نہ بنا۔ تو اب حضرت امام مہدی مسعود علیہ السلام کی نسبت پھر کیسے بنی اسماعیل کا محکوم بن سکتا تھا۔ اسلیئے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جب حضرت مرزا غلام احمد مہدی مسعود علیہ السلام جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بنی اسحاق سے ہیں تو پھر کیوں اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو حضرت ابراہیم سے تھا۔ وہ پورا نہ ہوتا۔ اور اور صالحین سے ہونے کا یہ پورا ثبوت ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں صدی کا چہارم حصہ زندہ رہے اور آئے دن انکے سلسلہ کو ترقی ہے حالانکہ مخالف جان و مال سے انکی مخالفت پر تلے ہیں۔ مگر منہ کی کھارہے ہیں۔ اور دنیا سے نیست و نابود ہو رہے پیارے مسلمان بھائیو! اگر فاتح بننا چاہتے ہو یعنی مختلف مذاہب پر اپنی سچائی ثابت کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور حضرت امام مہدی مسعود علیہ السلام کا خلیفہ حضرت مولوی حاجی نورالدین صاحب جو دین کا نور ہے اسکے ہاتھ بیعت کرو۔ وہ تمہیں بہت اچھی تعلیم دیگا۔ جس کے عمل سے دنی بنجاؤگے اور وہ تمہارے لیئے دعا کریگا جس سے دین و دنیا میں برکت ہوگی۔ اور تمہارا اخلاص اٹھجائیگا۔ والسلام۔ راقم سیف الدین ترک نائب تحصیلدار محکمہ بندوبست کوئٹہ بلوچستان

اطلاع

خط و کتابت کرتے وقت
نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں

دونوں کا نفع ہے

ناظرین! عنوان "دونوں کا نفع ہے" والا مضمون ضرور پڑھیں۔

اس مضمون کو غور سے پڑھیں۔ اور ضرور توجہ فرمائیں

رسالہ تشحیذ الاذہان کو اب چھٹا سال لگا ہے اور پانچ سال کے عرصہ میں مختلف قسم کے ابتلاؤں سے گزرتا ہوا یہ ۱۹۱۱ء میں داخل ہوا ہے اللہ تعالیٰ رحم کرے اور اس کو آیندہ بھی مصائب سے بچائے۔ بڑی بڑی سخت گھڑیاں اس پر آئی ہیں کبھی روپیہ ختم ہو گیا۔ کبھی پریس نہ ملا جس پر چھپوایا جائے۔ کبھی کلرک غائب ہو گیا۔ کبھی منیجر نے جواب دیدیا۔ شروع سے لیکر اب تک جسکا تعلق بلا وقفہ کے اس سے رہا ہے وہ بھی خاکسار ایڈیٹر ہی ہے قضا و قدر نہ معلوم کہاں کہاں اسکو لیئے پھری۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہر جگہ کشاں کشاں اس کے ساتھ رہا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ بھی حتی الوسع اس پودہ کو پانی دینے میں کوشاں رہونگا۔ مینے جہاں تک ہو سکا ہے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس رسالہ کی امداد میں اپنی گرہ سے روپیہ بھی خرچ کیا ہے اور سب سے بڑھکر اپنا وقت اور اپنا دماغ بھی اور یہ جو کچھ کیا اسی لیئے کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی دینی خدمت ہو جائے اور یہ رسالہ بھی دینِ اسلام کی اشاعت کا باعث ہو جائے۔ میرے ساتھ میرے بعض اور دوستوں اور ممبران تشحیذ الاذہان نے بھی مدد کی اور بہت کی اور اسکا اجر اللہ تعالیٰ ہی سے انکو ملیگا۔ ان تمام مشکلات کے زمانہ میں خریداران رسالہ سے بہت کم مدد کی درخواست کی گئی بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ کی ہی نہیں گئی۔ اب بھی بہت سی مشکلات سامنے

ہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ کم سے کم تین ہزار خریدار ہو۔ تو تب رسالہ اپنے خرچ پر چل سکتا ہے۔ آجتک ہم بڑی مشکلوں سے رسالہ کا کام چلاتے رہے ہیں اور ابتو میں دیکھتا ہوں کہ اس میں بھی مشکلات ہوے ہیں۔ رسالہ کا کام بھی تبھی چل سکتا ہے جب کہ اسپر ایک سارے وقت کا نگران ہو جو مینجر بھی ہو اور ایڈیٹر کو بھی اس کے کام میں مدد دے کیونکہ گو میں ایڈیٹر تو ہوں۔ لیکن اپنا سارا دن تو اسپر خرچ نہیں کر سکتا میرے اور بھی ایسے کام ہیں کہ جنکو میں رسالہ کے کام سے کم ضروری نہیں سمجھتا۔ بلکہ بعض کو اس سے زیادہ ضروری جانتا ہوں۔ مثلاً مدرسہ احمدیہ کا کام ہے کہ وہ بھی کچھہ ماہ سے مجھے ہی کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں آیندہ مہمان خانہ کے کام کی بھی ایک حد تک نگرانی مجھے کرنی پڑیگی۔ اور ان کاموں کے علاوہ میرا اپنا مطالعہ الگ رہا دن کے کل چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ مگر اڑتالیس ہوتے تو شاید یہ کام میں کر سکتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس میں انسانی کوشش کا دخل نہیں اور قضائے الٰہی ہی پھر یہ سب کام کرے تو کون؟ غرض میں دیکھتا ہوں کہ بغیر ایک ہوشیار آدمی کے اب رسالہ کا کام چلنا ناممکن ہو رہا ہے ادہر رسالہ کی آمدنی ایسی ہے نہیں کہ وہ اپنا خرچ بھی چلا سکے اس نئے آدمی کو کس مد میں داخل کیا جائے اسلیے میں آج خریداران رسالہ کے سامنے ایک اپیل پیش کرتا ہوں کہ اگر رسالہ کا قیام منظور ہے۔ اور اسکو آپ کسی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو جسقدر جلد ممکن ہو ہماری امداد کریں۔ دنیاوی اخباروں کے خریدار ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ تب کہیں انکا کام چلتا ہے ولایت میں تو بعض روزانہ اخباروں کی خریداری دس لاکھ تک ہے اور ہندوستان میں بھی دنیاوی اخبار دس دس ہزار پندرہ پندرہ ہزار خریدار رکھنے والے موجود ہیں پھر وہ طرح طرح کے اشتہار شایع کرکے روپیہ بٹورتے ہیں اور ساتھ ساتھ دواؤں اور کتابوں کی تجارت کرتے ہیں لیکن یہاں ان باتوں

ناظرین! عنوان "دونوں کا نفع ہے" والا مضمون ضرور پڑھیں۔

میں سے کوئی بھی نہیں پھر کام خراب ہو یا نہ ہو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد ضرور کریگا۔ اور ایک دن آتا ہے کہ جب ہر قسم کے ابتلاؤں سے گزر امن وچین کیحالت آجائیگی لیکن جو اپنی مدد آپ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا ہے۔ اس الٰہی منشاء کو پورا کرنیکے لیئے ہمارے خریداروں کو بھی تو کچھہ کوشش کرنی چاہیئے۔ اسوقت نوسو کے قریب ہمارا خریدار ہے۔ اور اگر سب خریداروں کی قیمت وصول ہو جائے تو اٹھارہ سو روپیہ کی آمدنی ہو سکتی ہے لیکن خرچ کا اندازہ دو ہزار سات سو روپیہ ہے گویا آمد حقیقی سے نوسو روپیہ زائد خرچ ہوگا اور یہ نو سو بھی تنگی ہے کیونکہ سو کے قریب تو خریداراں ہوتا ہے جن کی قیمت بقایا ہی میں پڑتی رہتی ہے اصل میں تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی پندرہ سو روپیہ کے قریب آمد ہے تو کیا اس سے کام چل سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہمارا ہی فرض نہیں کہ اس مشکل کا حل سوچیں بلکہ سب خریداراں کا بھی فرض ہے کیونکہ اخبار اصل میں ایک خاندان ہوتا ہے جس کے خریدار اُسکے ممبراں ہوتے ہیں پس خاندان کی مصیبت میں حصّہ لینا ہر ایک فرد کا کام ہے اور فرض ہے۔ یہ غلط ہے کہ آپ لوگ کچھ نہیں کر سکتے آپ اگر اپنے فرض کو سمجھیں اور اپنی ذمّہ واریوں کو محسوس کریں تو آپ اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ

۱۔ ہمارے رسالہ کے خریداراں میں سے تین سو کے قریب ایسے آدمی ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے اور وہ صہ روپیہ سالانہ بڑی آسانی سے دیسکتے ہیں یہ قریبًا پونے سات آنہ مہینہ بنتا ہے اور جن کو اللہ تعالےٰ نے کشایش دی ہے وہ اس سے بھی زیادہ دیسکتے ہیں پس خریداران رسالہ میں سے تین سو خریدار عاکی بجائے صہ سالہ ۱۹۱۱ء سے کم سے کم سالانہ دیا کریں۔ جن کو اللہ تع

ناظرین عنوان "دونونکا نفع ہے" والا مضمون ضرور پڑھیں۔

زیادہ توفیق دے۔ وہ زیادہ بھی دے سکتے ہیں۔

۲۔ جو صر روپیہ سالانہ نہیں دے سکتے۔ وہ ے ر روپیہ سالانہ دیا کریں اور ایسے لوگ بھی کوئی دوسو کے قریب ہونگے۔

۳۔ علاوہ مذکورہ بالا گروہ کے جو خریدار کہ روپیہ سے مدد نہیں کر سکتے وہ فی خریدار کم سے کم تین خریدار مہیّا کرے۔ اور اگر ہمارے سب خریدار اس ذمّہ واری کو سمجھیں اور انشاء اللہ امید ہے کہ وہ اس موقعہ پر ایسی تن دہی سے کام لینگے کہ جس میں خاص طور سے نصرت الٰہی کے نشان ظاہر ہونگے تو ایک ماہ یا دو ماہ کے عرصہ میں تین ہزار سے زیادہ خریدار ہو سکتا ہے اور خریداروں کا ملنا مشکل نہیں۔ لوگ اپنے دوستوں کو سیر و تماشا کے لیئے لیجاتے ہیں۔ اور اُن سے بہت سا روپیہ خرچ کروا دیتے ہیں تو کیا آپ لوگوں میں اتنا بھی جذب نہیں کہ ایک دینی کام میں لیئے سال میں دو روپیہ ان سے خرچ کروادیں اور وہاں تو تھوڑی دیر لذّت حاصل کر کے وہ واپس آجاتے ہیں جس میں نہ دین کا بھلا اور نہ دنیا کا۔ اور یہاں تو سال بھر انکو رسالہ ملیگا۔ جس سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ تو وہ فائدہ اٹھائینگے۔

غرض ان تینوں تجاویز پر اگر ہمارے احباب نے توجہ کی۔ تو بہت جلد رسالہ کی مشکلات انشاءاللہ حل ہو جائینگی۔ صر روپیہ دے سکیں وہ صر روپیہ سالانہ دیں۔ جو ے ر روپیہ دے سکیں وہ ے ر روپیہ دیں اور علاوہ ازیں سب خریدار کم سے کم تین تین خریدار اس سہ ماہی میں مہیا کر دیں ہم ایسے سب دوستوں کے نام رسالہ میں شایع کرتے رہا کرینگے۔ تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو۔

اور یاد رہے کہ جب تک میری اس تحریر پر کافی توجہ نہ دیگئی۔ آیندہ ہر پرچہ میں یہی مضمون بار بار شایع کیا جائیگا۔ پس اگر خریداران رسالہ اُن صفحات میں کوئی اور مفید مضمون دیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً اس کی طرف توجہ کریں۔ اور

براہِ راست مجھے اطلاع دیں کہ وہ ان تینوں طریقوں میں سے کون سے طریق سے مدد کرینگے۔

لیکن یہ بھی یاد رہے۔ کہ جو احباب روپیہ سے مدد کریں۔ ان سے خریدار مہیّا کرنے کا فرض نہیں اُتریگا۔ صرف تین خریدار پیدا کرنا انہیں کے لیئے ہے جو پانچ روپیہ یا تین روپیہ سالانہ چندہ نہیں دے سکتے۔

غرض کہ ان تجاویز پر عمل ہونیکے بعد انشاء اللہ رسالہ بھی اپنی مشکلات سے نکلجائیگا۔ اور اس میں ہمارا نفع ہوگا۔ اور مدد کرنیوالوں کو جو ثواب ہوگا۔ اس میں اُنکا نفع ہوگا۔ گویا کہ اس کام میں دونوں کا نفع ہے۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمدؐ

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

ناظرین! ایک مضمون بعنوان مندرجہ بالا بجواب "قرآنی اختلافات" رسالہ تشحیذ الاذہان میں شایع ہوا تھا جس پر اڈیٹر مسافر آگرہ نے آگ بگولا ہو کر خواہ مخواہ ہمارے محسن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدّین محمود احمدؐ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو صلواتیں سنانی شروع کردیں۔ میرے جواب میں اگر مہاشہ صاحب کے پاس انہی ناشایستہ الفاظ کا ذخیرہ تھا۔ اور کسی طرح سے وہ اپنی جبلّی فطرت کا اظہار کیئے بغیر نہ رہ سکتے تھے تو وہ اس زہر آلودہ بخار کو مجھپر نکال کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرلیتے نہ یہ کہ ایک تیسرے شخص پر اس زہر کو اگلنے لگ پڑتے۔ آریہ مہاشہ

ناظرین! عنوان "دونوں کا نفع ہے" والا مضمون ضرور پڑھیں

صاحب نے "پبلک کا گمراہ کنندہ" کے الفاظ سے مجھے متہم کیا ہے۔ لیکن افسوس! اُن غلطیوں کو پبلک پر ظاہر نہ کرسکے جن سے مینے پبلک کو مغالطے میں ڈالنا چاہا تھا۔ اگر مہاشہ صاحب میں میرے جوابات کو توڑنے کی ہمت نہ تھی۔ تو وہ انکو پبلک کے سامنے ہی پیش کردیتے اور ساتھ ہی اپنے طبع زاد اختلافات کو بھی (جنکو کہ وہ باربار پیش کرتے ہیں) لکھدیتے۔ تاکہ انصاف پسند پبلک خود ہی فیصلہ کرلیتی۔ کہ آیا فی الواقعہ مینے پبلک کو کسی قسم کا مغالطہ دیا ہے۔ یا آریہ مہاشہ صاحب ہی حق کا خون کررہے ہیں۔ میرے جوابات کو نہ توڑنا یا ان کو پبلک کے سامنے نہ پیش کرنا اور صرف اپنے ہی لغویات پر پبلک سے انصاف چاہنا۔ کیا اس سے کوئی حق پسند یقین کرسکتا ہے کہ مہاشہ صاحب کا منشا اظہار حق ہے اگر فی الحقیقت آپکو اظہار حق کا شوق ہوتا۔ تو آپ ضرور ضرور میری جوابات کو توڑتے یا انکو صرف نقل کردیتے۔ اور اس طرح پبلک پر ظاہر کرتے کہ مَیں نے فلاں فلاں غلطی کی ہے مگر آریہ مہاشہ صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ وہ ایسا نہیں کرینگے کیونکہ ایسا کرنے میں آپ کی اپنی ہی پردہ دری ہے وہ تو ایک لمحہ بھر کے لیئے بھی یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ پبلک پر حق بات ظاہر ہو اگر واقعی وہ اظہار حق کے دل سے خواہاں ہیں تو وہ اب کس موقعہ کا انتظار کرتے ہیں۔ مناظرے کا میدان تو آپنے مسافر آگرہ کے کالموں میں کھول ہی دیا ہے میرے جوابات پر بحث کرکے اپنے دعوی کا ثبوت دیں اور اپنی سچائی ظاہر کریں۔

مہاشہ صاحب! سنیئے اور غور سے سنیئے کہ قرآن کریم کا دعوٰی لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرًا اپنی ذات کے متعلق ہے یہ دعوٰی تو نہیں ہے کہ قصص الانبیاء کی روایات اور مصنفان موضح القرآن اور تفسیر

قادری کے طبع زاد حواشی اور قرآن مجید کے بیانات میں اختلافات نہیں ہے آپ تو مسافر آگرہ کے کالموں میں بجائے "قرآنی اختلافات" ظاہر کرنیکے قصص الانبیاء کے قصّوں اور مفسّروں کے حاشیوں کو لے بیٹھے ہیں۔ دعوٰی تو یہ کیا ہے۔ کہ آپ قرآن کریم کی متضاد آیات کی قلعی پبلک پر کھولینگے۔ مگر نہ معلوم کہ لکھتے وقت کیا ہو گیا کہ ایک آیت قرآن مجید کی لکھکر ساتھ دو چار حوالے کبھی قصص الانبیاء اور کبھی تفسیری روایات کے پیش کر کے راقم کو بُرا بھلا کہدیا ہے۔ اور بس! مہاشہ صاحب! ہوش سنبھال کر جواب دیجیئگا۔ کہ آیا کسی کتاب کے مضامین میں اختلاف اسی طرح ثابت کیا کرتے ہیں کہ ایک بات اُس کی لی اور دو چار باتیں کسی دوسری کتاب کی لے لیں چلو جی اختلاف ثابت ہو گیا۔ اگر فی الحقیقت کسی کتاب میں اختلاف ثابت کرنیکا یہی طریقہ ہے تو پھر سب سے پہلے اپنے وید کی خیر منایئے گا۔ جو بہت سے اختلافات کا مجموعہ ہے (گو درحقیقت بھی اسکی اصل تعلیموں میں اسقدر بیّن اور صریح اختلاف موجود ہے کہ نہ کسی اصول کا پتہ لگتا ہے اور نہ ہی کسی فروع کا۔ اگر ہم بھی وید کی تفسیروں کو مدّنظر رکھکر آپ پر اعتراض شروع کردیں۔ اور جو باتیں ان تفاسیر میں بیان کی گئی ہیں انکو وید کی طرف منسوب کریں تو کیا آپ اسبات کو قبول کرینگے۔ اور ان اعتراضات کے جواب دینے کی جرأت کرینگے۔ ہاں اگر آپ اس اصول کو مان لیں۔ کہ جو کچھ اصل الہامی کتاب کی تفاسیر مفسّر لکھہ جائیں۔ وہ بھی ماننے کے قابل ہوگا۔ اور اسپر بھی ایمان لانا ویسا ہی ضروری ہوگا۔ جیسا الہامی کتاب پر تو ہم اس مقابلہ کے لیے بھی تیاّر ہیں۔ اور آپ کے اقرار پر ہم قرآن شریف کی تفاسیر میں بھی دیکھینگے کہ آیا ان میں خدا تعالٰی کی نسبت لکھا ہے کہ کسی سیّد یا برہمن کے قتل کی وجہ سے اُسے مدتوں کاسۂ گدائی لیکر شہروں اور گاؤں میں پھرنا پڑا ہو اور مدتوں کی

ناظرین! عنوان [illegible] والا مضمون ضرور پڑھیں -

گداگری کے بعد برہمن کے قتل کا سراپ دور ہوا ہو۔ اور پھر دیکھینگے۔ کہ پرمیشور مختلف وقتوں میں مختلف عورتوں کے پیٹ سے پیدا ہوتا رہا۔ بلکہ ہمارا حق ہوگا کہ وراہ اوتار کا دلچسپ مسئلہ بھی کسی تفسیر میں سے تلاش کریں۔ اور ہم کو پرمیشور کے عشق کی حکایات کی تلاش کے لیئے بھی قرآن شریف کی تفاسیر کی ورق گردانی کرنی پڑیگی۔ اور جالندھر کی بیوی کیساتھ وشنو کے زنا کا حال بھی دریافت کرنا ہوگا۔ اور وشنو کے لنگ کا مبدء اور منتہا کے تلاش کرنیکے لیئے برہما اور وشنو کی جستجو والی تھیوری کے لیئے بھی میدان تجسّس میں دوڑنا پڑیگا۔ اور ہم دیکھینگے۔ کہ آیا قرآن شریف کی تفاسیر میں بھی خدا کا رتھوں میں سوار ہونا اور سوم کا رس مزے سے اڑانے کا ذکر مذکور ہے کہ نہیں لیکن یہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ان باتوں سے کسی کے تلاش کرنیمیں بھی ہم کامیاب نہ ہونگے اور مجبوراً وید کی تفاسیر میں اُن کی تلاش کرنی ہوگی۔ جہاں کہ آپ کو بھی علم ہے کہ نہ صرف یہ واقعات بلکہ اس قسم کے اور بھی مزخرافات بڑی کثرت سے ملینگے۔ پس آپ انصاف سے کام لیں۔ اور اگر قرآن شریف میں اختلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تو خاص قرآن شریف کے الفاظ سے ثابت کریں۔ ورنہ وید کی تفاسیر کی بیہودگی کے سننے کے لیئے تیار ہو جائیں۔ اور اُسوقت آپکو ہم پر اعتراض کرنیکا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ہم آپ کی تفاسیر سے باتیں لینگے۔ اور وید کی طرف منسوب کرکے اس کی غلطی کھولینگے اور ہمپر کوئی الزام نہیں آسکیگا۔ کیونکہ ابتدا آپ کی طرف سے ہوئی ہے پس میں آپ کو ایک دفعہ پھر متنبہ کرتا ہوں۔ کہ قرآن شریف پر اگر اعتراض کرنا ہو۔ تو خاص قرآن کی آیات پر اعتراض کریں۔ اور اسی طرح اگر ہمکو وید کی تنقید منظور ہوگی۔ تو ہم بھی اُسکے اپنے الفاظ سے باہر نہ جائینگے۔

غرضیکہ اب آپ نے دیکھ لیا ہوگا۔ کہ قرآن کریم میں اختلافات ثابت

کرنیکی جو کوشش آپنے کی ہے۔ وہ آپ کے لیئے کیسی خطرناک اور مہلک ہے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ جسوقت آپنے یہ طریق اعتراضات کا اختیار کیا۔ اسکے انجام
پر آپنے غور نہیں کیا۔ بلکہ پبلک کو دھوکہ دینے کے جوش میں جو چاہا لکھتے چلے
گئے۔ آپ ہی بتائیں۔ مہاشہ صاحب! اس قاعدہ کے ماتحت اگر میں بھی
وید کے سرتاپا لغو پوچ روایات کو کہ جنکو سناتن دھرم والے وید کا ہی حصّہ
مانتے ہیں۔ پبلک کے سامنے پیش کروں تو آپ برا نہ منائیں۔ ہم مسلمانوں
میں تو ایک بھی ایسا فرقہ نہیں ہے کہ جو موضح القرآن اور تفسیر قادری کو قرآن مجید
کا حصّہ مانتا ہو۔ بلکہ سب کے سب ہی یقین رکھتے ہیں۔ کہ انکے حواشی میں جتنی
مزید روایات ہیں۔ وہ اناجیل اور تورات وغیرہ کتب سے منقول ہیں۔ مگر وید کے
پیروؤں میں سے ایک کثیر التعداد گروہ (سناتن دہرم) کا اس بات کا قائل ہے
کہ وہ اصل میں وید کا ہی حصّہ ہیں۔ جس طریق سے آپنے موضح القرآن کے حواشی
اور قصص الانبیاء کے روایات کا حوالہ دے دیکر قرآن کریم میں اختلافات ثابت
کرنیکی کوشش کی ہے۔ اگر اسی طریق سے میں بھی کروں۔ تو مجھے بڑھ چڑھ کر یہ
کہنے کا حق ہوگا۔ کہ وید سر سے لیکر پیر تک رطب و یابس کا مجموعہ ہے۔ جب
کبھی کہ ان باتوں کو پبلک کے سامنے پیش کیا جائے۔ تو آپ شور مچا اٹھتے ہیں
کہ یہ وید کا حصّہ نہیں بلکہ دوسروں کے حاشیے ہیں (جس کی تردید فوراً آپکے
بھائی بندی کر دیا کرتے ہیں) مگر یہ کیسا ظلم اور بے انصافی ہے۔ کہ تفسیر و نکے
حواشی اور دیگر قصص کو پبلک کے سامنے پیش کرکے یہ دھوکہ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ قرآن کریم
کے اختلافات ہیں۔ یہ شیوہ اور یہ طریق کن لوگوں کا ہوا کرتا ہے کیا انہی مہذب
اور شائستہ لوگونکا۔ کہ جنکو ست اور حق کے اظہار کا دل سے شوق ہوتا ہے
قرآن کریم کا دعویٰ اپنی ذات کے متعلّق ہے۔ نہ کہ سارے جہان کی کتب کے

ناظرین! عنوان "دروغ بے فروغ" سے والا مضمون ضرور پڑھیں۔

متعلق کہ آپ نے دوسروں کے اقوال کو قرآن کریم کے ذمّے تھوپ کر یونہی اپنی لیاقت و قابلیت ہمہ دانی کا اظہار کرکے پبلک کو تضحیک اور ہنسی اڑانیکا موقعہ دیا ہے۔ آپکو مینے پہلے بھی یہ نصیحت کی تھی۔ اور اب بھی کرتا ہوں کہ آپ لکھتے وقت ذرا یہ خیال کر لیا کریں۔ کہ کل کو پبلک آپ کی ہزلیات کو دیکھکر آپ کی نسبت کیا خیال کریگی۔ میرے نصیحت آمیز کلمات پر برا نہ منائیں۔ اور نہ ہی عاجز پر تکبیروں کی ہٹائیں۔ آپ پہلے اپنے اخبار کے کالموں کو ذرا غور سے دیکھیں۔ کہ لکھنے کیا بیٹھے تھے اور لکھ گیا دیا ہے۔ میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی افترا پردازیوں کی قلعی جوابات کے ساتھ ساتھ کھولنے کی کوشش کرونگا۔ ذرا توجّہ سے سنتے جائیے۔

۱۔ ووعدنا موسیٰ ثلٰثین لیلۃً و اتممنٰھا بعشرٍ فتم میقات ربّہٖ اربعین لیلۃً۔ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا۔ اور ہمنے دس راتیں اور بڑھا کر ان سے تیس کو پورا چالیس کر دیا۔ اور یوں پروردگار موسیٰ کا وعدہ چالیس رات کا پورا ہوا۔

ناظرین! اس آیت کے پیش کر کہیں مہاشہ جی نے پہلے جو کانٹ چھانٹ کی تھی۔ وہ تو آپ پر بخوبی واضح ہے اور جس رنگ میں ان دو آیات یعنی مندرجہ بالا آیت اور اذ وٰعدنا موسیٰ اربعین لیلۃً میں اختلاف پیش کیا تھا۔ وہ بھی آپ کو خوب معلوم ہے۔ اب سنیئے۔ کہ کیا خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ جو حضرت موسیٰ سے تیس دن کی بجائے چالیس دن تک ہمکلام رہا۔ تو گویا "اللہ میاں نے اپنے وعدہ ماسبق کو اگر اندر میعاد معیّنہ ایفا نہیں کیا۔ تو اپنے حکم ماسبق کا اختلاف کیا" (نقل از مسافر آگرہ) یعنی مہاشہ صاحب کے خیال شریف میں حضرت موسیٰ سے خدا تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کا وعدہ کیا تھا۔ جو تیس

دن میں اسکو پوری دینی تھی۔ لیکن بجائے اسکے چالیس دن میں دی۔ اسی لیئے آپ کے خیال میں تیس اور چالیس راتوں میں ایک اختلاف عظیم نظر آیا۔ مہاشہ صاحب! ذرا بینائی کا علاج کرائیں۔ اور دیکھیں کہ واتممنٰھا کی ضمیر تیس راتوں کی طرف ہے یا کسی اور موعود چیز کی طرف آپ ات سوچ سمجھکر کیا کریں۔ پہلے تو آپ آدھی کی آدھی آیت ہی خورد برد کر گئے تھے۔ اور آج یہ کیا ہے کہ پبلک کو آیت کا غلط مفہوم بتا رہے ہیں۔ جناب من! اس آیت کے معنے تو یہ ہیں۔ کہ موسٰی سے خدا تعالٰی نے تیس رات کا وعدہ کیا۔ لیکن بعد میں بجائے تیس کے چالیس تک وقت کو بڑھا دیا۔ اب آپ ذرہ غور تو کریں۔ کہ اگر ایک افسر کو کوئی شخص ملنے جائے اور وہ افسر اُسے کہے کہ میں تم کو آدھا گھنٹہ دیتا ہوں۔ اور پھر احسان کر کے بجائے آدھ گھنٹہ کے ایک گھنٹہ اس سے ہمکلام رہے۔ تو اسکو وعدہ خلافی کہینگے۔ یا احسان کہینگے۔ آپ نے اپنی کم فہمی کیوجہ سے یہ سمجھ لیا۔ کہ خدا نے موسٰی سے کسی چیز کا وعدہ کیا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ تیس دن میں وہ تجھے ملجائیگی۔ لیکن بجائے اسکے اُسے ٹالتا رہا۔ اور چالیس دن میں وہ چیز اُسے دی۔ جیسا کہ آجکل پیشہ وروں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ ایک چیز کی نسبت تو کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم فلاں تاریخ تک تیار کر دینگے لیکن بعد میں ٹال دیتے ہیں۔ اور مدتوں اس کی ٹانگیں تڑوا کر پھر کہیں وہ چیز اُسے دیتے ہیں۔ لیکن آپ اس خیال میں دُور نکل گئے۔ اور جو کچھ سمجھے غلط سمجھے۔ بلکہ خاک نہ سمجھے۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ غلطی آپکو عربی زبان کی ناواقفیت کیوجہ سے ہوئی۔ کیونکہ اگر آپ غور کرتے تو ثلٰثین لیلۃ مفعول ثانی واقعہ ہوا ہے۔ اور اس لحاظ خود تیس راتیں موعود ہیں نہ کہ کوئی اور چیز یعنی اللہ تعالےٰ نے موسٰی سے تیس راتوں کا وعدہ کیا ہے۔ نہ کہ تیس راتوں میں کسی اور چیز کے دینے کا کہ آپکو خیال ہوا کہ جب وہ چیز بجائے تیس

ناظرین! عنوان "دو نوں نسخے" والا مضمون ضرور پڑھیں

کے چالیس راتوں میں دیگئی۔ تو وعدہ خلافی ہوئی۔ اور اگر آپ یہ کہیں۔ کہ اس طرح تو یہ عبارت مہمل ہو جائیگی تیس راتوں کے وعدہ کے کیا معنے رات اور دن تو ہر ایک شخص پر گزرتا ہے۔ موسیٰ سے کیا خصوصیت تھی۔ اور اسکا یہی جواب ہے کہ جس طرح ایک افسر اپنے ملاقاتی کو کہتا ہے۔ کہ میں تم کو آدھ گھنٹہ دونگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو وعدہ دیا۔ کہ میں تمکو تیس راتیں دونگا لیکن کسی وجہ سے جو کہ یہاں مذکور نہیں بجائے تیس کے چالیس کردیں۔ اور جس طرح وہ افسر اپنے ملاقاتی کو آدھ گھنٹہ دیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی موسیٰ کو تیس راتیں دیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ اس افسر کی مراد تو اس سے ملاقات کا وقت ہوتا ہے۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی مراد تھی۔ اور یہی مطلب تھا۔ کہ تیس راتیں اُسی خصوصیت سے دیگئیں۔ کہ وہ اُنمیں اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو۔ اور اسکی میٹھی اور شیریں باتوں کو سنے۔ اور کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسپر زیادہ احسان کیا۔ اور بجائے تیس رات کے اُسے فرمایا۔ کہ ہم چالیس رات تم سے مخاطبہ و مکالمہ کرینگے۔ اب بتاؤ۔ کہ اس میں کون اختلاف ہے۔ کیا یہ بھی کوئی اختلاف کی بات ہے کہ ہم کسی کو کہیں کہ تجھکو ایک روپیہ دینگے۔ اور بجائے ایک روپیہ کے اُسے دو روپیہ دیدیں۔ اور کیا کوئی شخص اگر وائسرائے کو ملنے جائے۔ اور وہ اسکے آدھ گھنٹہ کا وعدہ فرمائیں۔ لیکن عند الملاقات ایک گھنٹہ تک اس سے گفتگو جاری رکھیں۔ تو وہ باہر نکل کر شور مچائیگا۔ کہ مجھپر بڑا ظلم ہوا اور حضور وائسرائے نے سخت وعدہ خلافی کی۔ کہ پہلے تو مجھے صرف آدھ گھنٹہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن دیدیا ایک گھنٹہ کیا ایسا شخص داناؤں میں گنا جائیگا۔ اور دنیا اُسے پاگل نہ کہیگی۔ اور عقلمند لوگ اسپر ہنسی نہ اڑائینگے۔ یہی حال ہے۔ اُس شخص کا جسے موسیٰ کے واقعہ پر اعتراض سوجھتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ موسیٰ سے بجائے تیس

رات کے چالیس رات کیوں ہمکلام رہا۔ مہاشہ جی یاد رکھو۔ کہ کلام الٰہی ایک ایسی نعمت ہے۔ کہ جیسے آپ کے بخیل باپ دادوں نے وید کے رشیوں کے بعد کسی اور کو دینے سے انکار کر دیا ہے۔ پھر بجائے تیس رات کے اگر موسیٰ سے خدا تعالیٰ چالیس رات کلام کیا۔ اور اپنے خاص فضل اور احسان کی بارش اسپر کی تو اس میں کونسا اختلاف ہوا۔ وعدہ خلافی تو تب ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص معیّن چیز کا وعدہ فرماتا۔ اور کہتا۔ کہ میں یہ چیز تیس دن تک تمکو دونگا۔ لیکن وہی چالیس دن میں۔ لیکن یہاں موعود خود راتیں ہیں۔ نہ کہ کوئی اور چیز پس آپ ہوش سے کام لیں۔ اور جواب دیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جو حضرت موسیٰ سے بجائے تیس رات کے چالیس رات ہمکلام رہا۔ تو کیا یہ اسنے اپنے حکم سابق کے برخلاف کیا۔ یا حضرت موسیٰ پر فضل مزید کیا۔ مہاشہ صاحب! آپ بھی عجب قسم کے انسان ہیں۔ کہ جس ہمکلامی کو (کلم اللہ موسیٰ تکلیما) خدا تعالیٰ اپنا انعام اور فضل بیان کرتا ہے۔ اُسے آپ باعث ناراضگی خیال کرتے ہیں۔ اِسی وجہ سے تو آپنے تفسیر موضح القرآن کے حواشی سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ "حضرت موسیٰ نے مسواک کی۔ فرشتوں کو انکے منہ کی بو سے خوشی تھی۔ وہ جاتی رہی۔ اور اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی۔" ورنہ اس عبارت کے نقل کرنیسے مہاشہ صاحب کا اور کیا منشا ہو سکتا تھا۔ اس میں تو مدت کے بڑھائے جانیکا سبب ہی بیان کیا ہے۔ اور تو کوئی زیادتی نہیں۔ لیکن قرآن کریم تو خدا تعالیٰ کی ہمکلامی کو اپنی خوشنودی اور رضامندی کا نتیجہ بیان فرماتا ہے۔ نہ کہ باعث ناراضگی۔ حضرتِ من۔ آپ ہوش کی دوا کیجیے۔ آپ نے تو قرآن کریم کے "اختلافات" پبلک پر ظاہر کرنے تھے لیکن موضح القرآن کی نقلوں کو کیوں لے بیٹھے۔ انکا تو قرآن کریم میں کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ *

* مہاشہ جی!

۲- اسکے بعد مہاشہ صاحب نے تین اور مختلف فیہ آیات قرآن کریم کی پیش کی ہیں جن میں سے پہلی آیت کا پورا ترجمہ نہیں کیا۔ نہ معلوم کہ اختلافات ثابت کرنے کیلئے یہ بھی کوئی . . . . ضروری شرط ہے۔ کہ بعض الفاظ کا ترجمہ ہی چھوڑ دیا جائے۔ یا شاید نسیان کی مرض میں مبتلا ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو۔ ہم ہی بتلائے دیتے ہیں۔ کہ صلصال کے معنے خلاصہ ورخلاصہ شے کے ہیں۔ اور ذیل میں ہم وہ آیات بھی بمعہ ترجمہ اور بمعہ مہاشہ صاحب کے طبع زاد اختلافات کے ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ وہو ہذا۔

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماءٍ مسنون۔ سورہ حجر پارہ ۱۴ رکوع ۲۔ ترجمہ، اور بیشک ہم نے انسان کو ایک ایسے گلے سڑے کیچڑ* سے پیدا کیا ہے۔ جو خلاصہ ورخلاصہ شے ہے۔

۲- خلق الانسان من نطفةٍ فاذا ھو خصیمٌ مبین ط سورہ نحل پ ۱۴ رکوع ۷۔ (ترجمہ) اُسی ذات نے حق و حکمت کے ساتھ بلندیوں اور زمین کو پیدا کیا۔ یہ لوگ منکر اسکا شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے۔

۳- یاایھا النّاس ان کنتم فی ریبٍ من البعث فانا خلقنا کم من ترابٍ ثمّ من نطفةٍ ثم من علقةٍ سورہ حج رکوع ۱۔ اے لوگو! اگر تم کو (قیامت کے دن) پھر جی اُٹھنے میں کسی طرح کا شک ہو تو (غور کرو) کہ ہمنے تمکو مٹی سے اور پھر نطفہ سے اور پھر علقہ سے . . . پیدا کیا ہے الخ

ناظرین! یہ تین آیات بیّنات ہیں جن میں مہاشہ صاحب کو اختلاف نظر آتا ہے ان میں سے پہلی دو آیتیں آپنے پہلے بھی پیش کی تھیں۔ جس کے جواب میں یہ کہا گیا تھا۔ کہ ان آیات میں تضاد اور تخالف تب ہو سکتا ہے۔ کہ

* کہیں کیچڑ سے یہ دہوکہ نہ کہانیں۔ کہ مٹی کا گارا مراد ہے بلکہ حماء کیچڑ کی طرح کی متغیر شے کو کہتے ہیں۔ منہ

جب حماءِ مسنون کا تیار شدہ خلاصہ نطفہ نہ ہو سکے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ منی حماء یعنی کیچڑ کی طرح بھی ہوتی ہے۔ اور مسنون یعنی بدبودار بھی ہوتی ہے۔ اور باین ہمہ وہ نطفہ یعنی قلیل المقدار بھی ہوتی ہے۔ بھلا مہاشہ صاحب! جس شے کو آپ نطفہ کہتے ہیں۔ کیا اس میں مندرجہ بالا وصف موجود نہیں ہوتے۔ یعنی کیا وہ گارے کی طرح گاڑھا اور بدبودار نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے تو پھر بتاؤ۔ کہ ان آیات میں اختلاف کیسا ہوا۔ بلکہ یہ باتیں تو عین ہمارے مشاہدے کے مطابق ہیں۔ مگر نہ معلوم کہ مہاشے جی کو آنکھیں بند کر کے مکھی پر مکھی مارنا کس نے سکھا دیا ہے۔ مہاشہ جی اگر آپ ہماری بات یوں نہ سمجھیں۔ تو آؤ ہم آپ کو مثال دیکر سمجھاتے ہیں کیونکہ مثال سے کو ون انسان کی سمجھ میں بڑے بڑے مشکل مسائل آجاتے ہیں۔ سنیئے گا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ انسان بولتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کسی اور بات پر کہے کہ انسان سنتا ہے۔ اور دورانِ گفتگو میں ایک تیسرے موقعہ پر اُسے کہنا پڑے۔ کہ انسان دیکھتا ہے۔ تو کیا اسکے ان تینوں کلمات میں اختلاف ہے۔ اور کیا کوئی عقلمند انسان اُسکے ان اقوال پر تعجب کریگا۔ بلکہ ہر ایک شخص جس کو خدا نے ذرہ بھی عقل دی ہو یا آپ کے ازل سے ہی اسکی روح میں فہم کا مادہ ہو۔ تو وہ سمجھ لیگا۔ کہ انسان میں تین مختلف صفات کا ذکر کیا گیا ہے اور اختلاف کی طرف اسکا ذہن نہیں جائیگا۔ لیکن آپ چونکہ عداوت کی کرسی پر بیٹھکر اور تعصب کی عینک لگا کر اعتراضوں کی قلم کو بے دیکھے بھالے چلانا شروع کر دیتے ہیں آپ کو صفات مختلفہ بھی اختلاف ہی نظر پڑتی ہے تعجب ہے آپ کی عقل اور دانائی پر کہ ان آیات میں تو اللہ تعالیٰ نے انسانی نطفہ کی تین صفات بتائی ہیں یعنی ایک تو وہ کیچڑ کی طرح لیسدار ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس میں بو ہوتی ہے۔ اور تیسرے وہ ایک قلیل سی چیز ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں

مختلف موقعوں پر انسان کو اسکی اصلی حالت کی طرف متوجہ کیا۔ اور اُسے آگاہ کیا ہے۔ کہ تو اپنے ابتدا کو دیکھ۔ کہ تو ایک ایسے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ جو کیچڑ کی طرح لیسدار اور متغیّر اور بدبو دار اور قلیل سی چیز ہے۔ پس تجھے چاہیئے۔ کہ میرے احکام کے خلاف شرارت سے کام مت لے۔ میں وہ خدا ہوں جس نے تجھے ایسی ذلیل چیز سے کیا سے کیا بنا دیا۔ اگر تو نے مجھے ناراض کیا۔ تو اسکا انجام نیک نہ ہوگا۔ اور تیری شرارت تیرے لیئے ہلاکت کا باعث ہوگی۔ اب بتاؤ کہ اسبات میں آپ کو کونسا اختلاف سوجھا۔ اور کس بات نے آپ کی صفت غضبیّہ کو بھڑکا دیا۔ ہاں ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں۔ کیا آپ نے کبھی اپنے خریداروں کو خوش کرنے کے لیئے اپنی ضمیر کا خون کرتے ہوئے کبھی نہیں لکھا۔ کہ وید میں سچائی ہے۔ وید میں گیان ہے وید میں توحید ہے۔ پس کیا اسوقت کوئی شخص آپ کو کہہ سکتا ہے۔ کہ آپ کے کلام میں اختلاف ہوگیا ہے۔ کیونکہ ابھی تو آپ نے کہا تھا۔ کہ وید میں سچائی ہے۔ اور اب کہتے ہیں۔ کہ وید میں گیان ہے۔ اب ایسے شخص کو سوائے اس کے کیا جواب دینگے۔ کہ یہ تو میں نے وید کی مختلف صفات بیان کی ہیں۔ پس جب روزمرّہ ایسی قسم کی باتیں آپ کے منہ سے نکلتی ہیں۔ تو کیوں قرآن شریف کی سچائیوں پر آپ نے حملہ شروع کر دیا۔ اور جہاں ایک چیز کی تین صفات بیان کی گئی تھی۔ اُسکو آپ نے اختلاف قرار دیدیا۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے۔ کہ قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ بھی اختلاف ہوگیا۔ کہ اس میں بھی آپ نے اُسی طرح دھوکہ کھایا ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز مختلف حالتوں پر ترقی پاتی ہوئی اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ پس اگر قرآن شریف نے یہ بیان کیا۔ کہ انسان کی پیدایش اصل میں مٹی سے ہے۔ جسکا خلاصہ نکلتے نکلتے نطفہ کی شکل میں آیا۔ اور وہ بعد قسم قسم کے تغیّرات کے انسان بن گیا۔ تو اس میں کونسا اختلاف ہوگیا۔ مہاشہ جی!

کبھی وہ وقت بھی ہوگا کہ جب آپ ماں کی چھاتیوں سے دودھ پیتے ہونگے۔ اور پھر وہ وقت بھی ہوگا۔ کہ جب آپ بلا کسی قسم کے لباس کے لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتے پھرتے ہونگے۔ اور پھر کسی وقت میں آپ پڑھنے بیٹھے ہونگے۔ اور نہ معلوم کس کس اُستاد کی جھڑکیاں کھا کر علم سیکھا ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص آپ کو مخاطب کر کے یہ کہے۔ کہ پنڈت جی۔ آپ وہی تو ہیں۔ جو کسی زمانہ بلا مدد غیر ہل بھی نہ سکتے تھے اور ماں کا دودھ آپ کی غذا تھا۔ اور پھر کہے کہ پنڈت جی کبھی وہ زمانہ تھا۔ کہ آپ بچوں میں کھیلتے پھرتے تھے۔ تو کیا آپ اسکو اختلاف قرار دینگے۔ پس اگر قرآن شریف نے انسان کی پیدائش کے مختلف سٹیجوں کا ذکر کیا ہے۔ کہ انسان پر ایک وہ وقت آیا ہے۔ کہ اسکے اجزا مٹی کا رنگ اختیار رکھتے تھے اور پھر تغیرات کے بعد یہ نطفہ بنا۔ اور پھر اور تغیرات کے بعد اسکو انسانی شکل ملی۔ تو اس میں کیا اختلاف ہوا۔ ہاں آپکو اگر انسان کے اجزا کی نسبت اعتراض ہے۔ کہ وہ مٹی سے نہیں بنے۔ تو یہ اور بات ہے۔ اور اس سے قرآن شریف میں تضاد ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ اس حصہ کو اس رنگ میں لکھ سکتے تھے۔ کہ قرآن شریف میں بعض باتیں خلاف واقعہ بیان کی گئی ہیں لیکن اگر آپ ایسا کرینگے۔ تو اپنا پردہ آپ چاک کرینگے۔ اور اپنے ہاتھوں اپنی موت خریدینگے۔ اور دانائوں کے سامنے اپنی خفت کروائینگے۔ کیونکہ اس سے علم کیمسٹری اور باٹنی میں جو آپ ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اسکی قلعی کھلجائیگی۔ اور چھپی بات ظاہر ہوجائیگی۔ اور ساتھ ہی ویدکی انسانی پیدائش کی مجبوری کا پتہ لگجائیگا۔ کیونکہ یہ علوم کے ذریعے اسبات کی تائید کرتے ہیں۔ کہ پہلے بیج مٹی کے اجزا اپنے اندر پراسس اوف ایسیمیلیشن (Process of assimilation) جذب کرتا ہے یہانتک کہ وہ ایک پھل دار پودہ یا درخت ہوجاتا ہے۔ وہ درخت اور پودے اور انکے پھل کیا ہوتے ہیں۔ اصل میں مٹی کے اجزا ہی ہوتے ہیں جنھوں نے

خداوند قادر مطلق کی قدرت اور حکمت کاملہ سے ایک اور شکل اختیار کی ہوئی ہوتی ہے اور پھر انہی پھلوں سے انسان اپنے لئے ایک معجون یعنی غذا تیار کرتا ہے جو کہ اس کی معدہ کی مشین میں عجیب طور سے تغیر پذیر ہو کر آخر خون اور خون سے اس کے اجزائے جسم اور نطفہ منی تیار ہوتے ہیں۔ اور یہ مؤخر الذکر خوردبین کے ذریعے دیکھنے سے باریک کیڑوں کا مجموعہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہی مٹی کے اجزا ہی مختلف تبدیلیوں میں تغیر پذیر ہوتے ہوتے آخر کار نطفہ کی شکل میں آن ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لیئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انسانی پیدائش کا ابتدا من تراب مٹی سے فرماتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ بھی اسکی تصریح بایں الفاظ کرتا ہو ولقد بدء خلق الانسان من طین۔ یعنی انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ غرضیکہ مندرجہ بالا آیت میں تین صداقتوں کا بیان ہے۔ جن کی تصدیق ہمارا روزمرّہ کا مشاہدہ کرتا ہے مگر مہاشہ صاحب ہیں۔ کہ ان صداقتوں کو چھپاتے ہوئے انکار پر انکار کیئے جاتے ہیں۔ جناب من! ان آیات میں تو اختلاف ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ ان آیات میں خدا تعالےٰ نے نہایت لطافت اور حکمت سے پر معنی اسرار معارف اور حکمت کو کمال وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اور انسانی پیدائش کے مختلف طبقوں کو عین موقعہ اور محل کے مناسب ذکر کیا ہے۔ جہاں صرف اجمالی رنگ کی ضرورت تھی۔ وہاں مجمل ہی بیان کیا ہے۔ اور جہاں تفصیل کی ضرورت تھی۔ وہاں تفصیل کر دی ہے۔ لیکن مہاشہ صاحب ان اجمال کی تفصیل کو اختلاف اور تضاد ثابت کرتے ہیں۔ اور طریق ثبوت بھی پھر دیکھئے۔ کہ کس نئے طرز کا ہے۔ آپ قرآن کریم کی آیات میں اختلافات ثابت کرنیکے لیۓ موضح القرآن۔ تفسیر قادری۔ بائبل اور قصص سے مندرجہ ذیل عبارات نقل کرتے ہیں۔ "مٹی کو پانی میں تر کیا۔ اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی۔ وہی بدن ہوا۔ انسان کا" موضح۔ پ

حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا۔ اسطرح کہ اپنے لطف وکرم کا پانی اُس خاک پر برسایا۔ یہانتک کہ وہ کیچڑ ہو گئی۔ پھر مدت تک اُسے چھوڑ دیا۔ کہ وہ سیاہ مٹی ہو گئی۔ اور پھر وہ خشک ہو کر صلصال کے مرتبے کو پہنچگئی۔ تفسیر قادری ..... "خدا نے آدم کو دھولی سے بنایا"۔ بائبل "۔ اللہ میاں نے جبریل کو حکم دیا۔ کہ کعبہ سے ایک مُشت خاک اٹھا لا۔ مجھکو خلیفہ بنانا ہے۔ جبریل سے زمین بولی۔ خدا کی پناہ مجھ سے خاک نہ اٹھا.... الخ از قصص۔

واہ! کیا کہنا مہاشے صاحب کے طرز استدلال کا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست ان مندرجہ بالا روایات کو نقل کرتے ہی آپنے راقم کو مفتری اور گمراہ کنندہ پبلک بتلانا شروع کر دیا ہے۔ مہاشہ صاحب! آپکا جواب اور طریق استدلال ہمنے سُن لیا ہے۔ بیشک کسی کتاب میں اختلاف ثابت کرنیکے لیئے دوسری کتب کی حکایات و روایات ہی پیش کرنی چاہیئے۔ لیکن اس طریق سے جو مشکلات آپکو پیش آئینگی اسکا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ہم مسلمانوں میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں۔ جو اُن کتب کو قرآن کریم کیا بلکہ احادیث کے پایۂ کا بھی سمجھتا ہو۔ مہاشہ صاحب اپچ بتلائیے۔ آپ کو یہ کیا سوجھی۔ کیا ویدک سٹور (Vedic store) میں ایسی روایات کچھ کم تھیں۔ کہ آپنے قصص اور بائبل اور تفسیروں کے اوراق گردانے شروع کر دیئے۔ آپ پہلے اپنے وید مقدس کی خبر لیجئیگا۔ کہ کیا کیا عجیب تحقیقاتیں اُس کے اندر موجود ہیں۔

تیسرا اختلاف جو مہاشہ صاحب نے پہلے پیش کیا تھا۔ وہ ان آیات یعنے فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم یومئذ ولا یتساءلون اور اقبل بعضہم علی بعض۔ مگر اب کی دفعہ شکر ہے کہ آپنے بایں الفاظ اپنی غلطی کا اعتراف تو کر لیا ہے "ہم نرکپشنا سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر دو مختلف گروہوں کے دو مختلف

احکام ہیں۔ تو باہمی اختلاف بتلانا غلط فہمی پر مبنی ہوسکتا ہے نہ کہ دہوکہ دہی پر۔“ مہاشہ صاحب! مجھے آپ اس لفظ کے استعمال کرنیسے معذور سمجھیںگا۔ میں مجبور تھا۔ کیا کرتا۔ مجھے تو آپ کا اخبار مطالعہ کرتے کرتے آپ کی جبلّی فطرت کا یقین ہو گیا تہا۔ خیر عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ آپنے بھی تو ہمارے ایک محسن کیساتھ کمی نہیں کی ہے۔

یہ جو تھا اختلاف آپ یہ پیش کرتے ہیں۔ قال القھا یٰموسٰی فالقھا فاذا ھی حیۃ تسعٰی لاتخف سنعیدھا سیرتھا الاولٰی۔ سورہ طٰہٰ رکوع ترجمہ۔ کہا اے موسیٰ اسکو ڈالدے۔ پس اسنے ڈال دیا۔ پس وہ دوڑتا ہوا سانپ ہوگیا۔ ڈر نہیں ہم ابھی اسکی پہلی حالت کر دیتے ہیں۔ ۲۔ والق عصاک فلمّا راٰھا تھتزّ کانھا جانّ ولّٰی مدبراً ولم یعقّب۔ یاموسٰی لاتخف انی لایخاف لدیّ المرسلون۔ سورہ نمل اور اپنا عصا ڈال دو جب موسیٰ نے اسکو اس طرح ہلتا دیکھا کہ گویا وہ ایک سنک ہے۔ تو پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اور پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھا۔ تو فرمایا موسیٰ مت ڈرو۔ ہمارے حضور رسول نہیں ڈرا کرتے۔

۳۔ فالقٰی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین (سورہ اعراف اور سورہ الشعراء دونوں میں ہے) پس جب اُسنے اپنا عصا ڈالدیا۔ تو وہ ایک بڑا اژدہا ہوگیا۔

ناظرین! ان متذکرہ بالا آیات میں اختلاف ثابت کرنے کے لیے مہاشہ جی نے جو دست بُردگی ہے۔ وہ میں آپکے سامنے پیش کیئے دیتا ہوں۔ تا آپکو بھی یقین ہو جائے۔ کہ میری رائے مہاشہ صاحب کی نسبت درست اور بالکل درست ہے۔ اور پھر بعد ازیں انشاء اللہ تعالیٰ اصل حقیقت آپکو بتائی جائیگی۔

آپ مندرجہ بالا آیات میں اختلاف ظاہر کرنیکے لیے سب سے اول تفسیر قادری کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ کہ ”وہ اژدہا ہوگیا منہ کھولے ہوئے۔ اُس

کے دونوں کلوں میں اسّی گز کا فاصلہ تھا اور پھر آپ موضح القرآن کی شہادت
سے جان کے معنی چھوٹے سانپ کے کرکے یوں رطب اللسان ہیں "ناظرین اب
جو آیت لاٹھی موسٰی کو اسّی گز چوڑے منہ والا اژدہا ہونا بیان کرتی ہے۔ اس کی
مخالفت آیات سورہ طٰہ و نمل (یعنی ۲۰ و ۱۰) اور موضح القرآن سے صریح ہے مگر
باین ہمہ قادیانی مسیح کے برخوردار فرماتے ہیں۔ کہ سانپ و اژدہا میں کیا فرق ہے۔
کوئی اختلاف نہ ہوا" مہاشہ جی اسوقت آپ کہاں سے کہاں نکل گئے۔ وہ قرآن
شریف کا کونسا لفظ ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ کہ وہ سانپ اتنا بڑا تھا۔ کہ اسکے
دونوں کلوں میں اسّی گز کا فاصلہ تھا۔ آخر دریدہ دہنی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے
قرآن شریف میں جو لفظ ہے۔ وہ تو ثعبان کا ہے۔ اور آپ اس کے معنی کسی
اور کتاب میں سے لیکر پیش کرتے ہیں کہ ایسا سانپ جس کے دونوں کلوں کا فاصلہ
اسی گز ہو۔ ہاں لغت کی کسی کتاب میں ثعبان کے معنے ایسے مہیب سانپ کے
دکھاتے تو سہی۔ اگر زیادہ سے زیادہ لغت اس کے معنی کرنیکی اجازت دیتی ہے تو یہی
کہ ثعبان کے معنے بڑے سانپ کے ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اتنا بڑا سانپ ہو۔ جس کے
دونوں کلوں کا فاصلہ اسی گز ہو۔ اور جس سانپ کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں
غالباً دو میل سے لمبائی میں کیا کم ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ قرآن شریف کے کسی لفظ
میں یہ مفہوم نہیں پایا جاتا۔ اور اگر کسی اور شخص نے یہ معنی کئے ہوں۔ تو وہ اس کی
تفسیر کہلا سکتی ہے۔ نہ کہ معنی کیونکہ ثعبان کے معنوں میں۔ اسقدر عظم کا کہیں نشان
نہیں پایا جاتا۔ اور کسی اور شخص کے معنے ہم پر حجت نہیں ہو سکتے۔ اور مسلمانوں نے
تیرہ سو سال میں آجتک ان تفاسیر کو کبھی بھی قرآن شریف کا حصہ قرار نہیں دیا۔
پس اگر اعتراض کی نیت ہو۔ تو قرآن کریم کی ذات پر اعتراض کرو۔ نہ یہ کہ موضح
القرآن اور دیگر تفاسیر کی منقولہ روایات کو قرآن شریف کی طرف منسوب کرکے

ناظرین! عنوان "دونوں کا نفع ہے" والا مضمون ضرور پڑھیں۔

یونہی پبلک کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کرو۔ مہاشہ جی! آپ فرماتے ہیں۔ کہ اُس (موہومہ آیت اور موضوعہ) آیت کی مخالفت موضح القرآن سے صریح ہے۔ خوب! اس بے معنی تخالف کا بھلا "قرآنی اختلافات" سے کیا تعلق ہے۔ ایسے تخالف اور تضاد ہزاروں ہوتے پھریں۔ پبلک تھوڑا ہی آپ کی بڑ ماننے لگی ہے۔ آپ مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ میں نے شاید آپ بسبب مرض نسیان آپ نے پہلے آیات نمبر ۱ اور نمبر ۳ کو درج اخبار کر کے پبلک پر یہ ظاہر کیا تھا۔ کہ حیّہ (سانپ) اور ثعبان (اژدہا) میں بڑا اختلاف ہے۔ جس کے جواب میں آپ کو یہ کہا گیا تھا۔ کہ حیّہ عام سانپ کو کہتے ہیں خواہ وہ اژدہا ہو۔ یا سِنک کسی قسم کا ہو۔ اُسے عربی زبان میں حیّہ ہی کہینگے۔ میں تو اب بھی یہی کہتا ہوں۔ کہ لفظ اژدہا اور سانپ میں ان معنوں کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے بھلا آپ ہی بتائیں۔ کہ وہ سانپ اژدہا ہے۔ اس میں سانپ اور اژدہا میں کیا اختلاف ہے۔ جو قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہوئیں آپ کی افترا پردازیاں۔ اب سنیئے اپنی غلط فہمی کی حقیقت۔

مہاشہ صاحب! اصل میں آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ تینوں آیات ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے آیات نمبر ۱ اور ۲ تو اس وقت کا ذکر کرتی ہیں۔ کہ جب حضرت موسیٰ خدا تعالےٰ سے وادیٔ مقدس میں ہم کلام ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا کرشمہ ظاہر کرنیکے لئے آپکے سامنے اس عصا کو ایک چھوٹے سانپ کی ہیئت اور شکل میں تبدیل کر دیا لیکن تیسری آیت اس واقعہ کے متعلق بیان کرتی ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ فرعون اور اسکے لشکر کے سامنے آئے۔ اور اپنے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت اپنا عصا پیش کیا۔ جس کو قادرِ مطلق نے کامل شکستی کے ساتھ عین موقعہ اور محل کے مناسب ایک اژدہا کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اگر خدا تعالیٰ اس عصا کو وادیٔ

مقدس میں اژدہا بنانا چاہتا۔ تو بنا سکتا تھا۔ مگر چونکہ حضرت موسیٰ کو ڈرانا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ آپ کو اس عصائے کی عجیب الخاصیت حالت کے متعلق آگاہ کرنا تھا اس لیئے ایک چھوٹے سانپ کی ہیئت ہی میں ظاہر کر دیا۔ جسکو دیکھکر حضرت موسیٰ اُس خوف زدہ ہوئے۔ کہ آپنے پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دیا۔ اسی وجہ سے خداتعالیٰ آپ کو یہ تسلّی دیتا ہے لا تخف لا یخاف لدیّ المرسلون۔ ڈر نہیں۔ میرے حضور میرے رسول ڈرا نہیں کرتے۔ پس یہ تو حکیم و قادر مطلق خدا کی عین حکمت اور قدرت کے مطابق ہوا۔ حضرت موسیٰ پر اپنا جلالی اور جبروتیت اور قہاریت کی تجلّی تھوڑی ہی ظاہر کرنی تھی۔ کہ آپ کو ایک بڑا اژدہا بنا کر عذاب کا نمونہ دکھایا جاتا۔

الغرض قرآن کریم کو شروع سے لیکر اخیر تک دیکھ جاؤ۔ کہ جانٌ کا لفظ جہاں کہیں بھی آیا ہے۔ وہ اسی موقعہ کے لیئے ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ کیلئے وادیٔ مبارک میں ہمکلام ہو رہے تھے۔ اور برخلاف اسکے ثعبانٌ کا لفظ اس موقعہ کے لیئے ہے کہ جب فرعون اور اسکے درباریوں کے سامنے اور ساحروں کے مقابل میں حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو ڈالا تھا۔ اور وہ اس موقعہ اور محل کے مناسب ایک اژدہا ہو گیا۔ ناظرین! یہ حقیقت ہے اس اختلاف کی کہ جس کی اصل حقیقت مہاشہ صاحبکو بوجہ اپنی کوتاہی نظر کے پا نہیں سکے۔ اور اپنی کمزوری کو قرآن شریف کیطرف منسوب کر دیا

ناظرین! "اعجوبہ ان دو لفظوں" سے والا مضمون ضرور پڑھیں۔

ل اسجگہ ہم عصا کے سانپ ہونے پر بحث نہیں کرتے۔ کہ ان آیات سے کیا مراد ہے۔ بلکہ اس واقعہ کو اسطرح تسلیم کر کے ثابت کرتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں اختلاف نہیں۔ ورنہ ان آیات کے اور معنی بھی لیئے جاتے ہیں۔ اور یہ اسلیئے لکھا جاتا ہے کہ آریوں کی عادت ہے کہ جب ایک سوال پر رہجائیں تو دوسرا پہلو لیکر اسپر ہنسی اڑانی شروع کر دیتے ہیں مثلاً اختلاف ثابت نہ ہو سکا۔ تو کہدیا کہ سوٹا سانپ کسطرح بنگیا یہ بیہودہ بات ہے۔ اسلیئے اس خلط مبحث سے بچنے کے لیئے ہم پہلے ہی مہاشہ صاحبکو آگاہ کیئے دیتے ہیں کہ گھبرا کر دوسری طرف نہ چلے جائیں بلکہ اگر عصا کے سانپ بننے پر اعتراض ہو۔ تو اسپر الگ مضمون لکھیں۔ اسکا بھی انشاء اللہ کامل جواب دیا جائیگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ط

جواب نمبر ۲۔ اب جبکہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ثعبان کے معنے اگر بڑے سانپ کے ہیں اور جان کے معنے چھوٹے سانپ کے تو ان معنوں میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اختلاف کی بجائے اس میں خوبی ہے۔ کہ دوست کے سامنے اور طرح سے شان دکھلائی گئی۔ اور دشمن کے سامنے اور طرح سے۔ اس کے بعد ہم ایک اور جواب پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ لغت میں ثعبان کے معنے عام سانپ کے بھی ہیں چنانچہ لسان العرب جلد اول میں ہے۔ کہ وقیل حیۃ صغیرۃ او کبیرۃ یعنے اس لفظ کے یہ معنے بھی ہیں۔ کہ کسی قسم کا سانپ ہو۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پس ثعبان اور جان میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اور ان دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ثعبان کا لفظ استعمال کر کے یہ بتایا۔ کہ وہ عصا سانپ ہو گیا تھا۔ اور دوسری جگہ جان کا لفظ استعمال کر کے یہ بتایا۔ کہ گو ثعبان سے مراد بڑا اور چھوٹا دونوں قسم کے سانپ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہماری مراد جان سے ہے۔ اور چاہیئے کہ تم ثعبان کے معنے جان کے کرو۔ پس اس میں کیا اختلاف ہوا ایک جگہ پر ایک عام لفظ استعمال کیا تھا۔ اور دوسری جگہ ایک خاص بول کر اسکی تخصیص کر دی۔ پس اِن معنوں کے لحاظ سے بھی ان آیات میں کوئی اختلاف نہیں ثابت ہوتا۔

جواب نمبر ۳۔ تیسرا جواب آپ کے اس اعتراض کا یہ ہے۔ کہ گو ہم مان بھی لیں کہ ثعبان کے معنے بڑے سانپ کے ہیں۔ اور جان کے معنے چھوٹے سانپ کے اور نظاروں میں بھی کوئی اختلاف نہیں تہا۔ بلکہ جو چیز موسیٰ کو وادی مقدس میں دکھائی گئی تھی۔ وہی فرعون کو دکھائی گئی تھی۔ تب بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ اگر آپ غور سے اس آیت کو دیکھتے۔ تو آپکو معلوم ہوتا۔ کہ جہاں جان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں آیت اس طرح ہے کہ کانہا جان۔ یعنے وہ ہلتا تہا۔ کہ گویا

ناظرین عنوان "دونوں کا نفع" کی جگہ ۱۱۰ صفحہ پر عنوان درست پڑھیں

وہ ایک سٹک ہے۔ پس مہاشہ جی آپکا اعتراض اس آیت پر کسی صورت میں بھی نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ اس عصا کو جان نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس کی حرکت کو جان کی حرکت قرار دیا ہے یعنی بتایا ہے۔ کہ وہ جان کی طرح ہلتا تھا۔ اس سے تو ثابت نہیں ہوتا کہ اسکا جسم جان کی طرح تھا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی حرکت جان کی طرح تھی پس اس میں کیا اختلاف ہوا۔ کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ موسیٰ کا عصا ایک ثعبان بنگیا۔ جس کی حرکت جان کی طرح تھی یعنے گو شکل میں تو وہ ایک ثعبان کے مشابہ تہا۔ لیکن حرکت میں وہ ایسا تیز تھا۔ کہ ایک سٹک کی طرح حرکت کرتا تھا۔ اور اسکی حرکت میں بڑی سرعت پائی جاتی تھی۔ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ موسیٰ کا عصا ایک بڑا اور پھرتیلا سانپ بنگیا۔ اگر قرآن شریف میں صرف کا نّھا جان کے الفاظ ہوتے۔ اور تھتز کا لفظ شروع میں نہ ہوتا۔ تب تو آپ اس کے یہ معنی کرتے۔ کہ وہ چھوٹے سانپ کی شکل پر بنگیا۔ لیکن اس آیت میں تو اس سانپ کو جان نہیں کہا گیا۔ بلکہ اُس کی حرکت کو جان کی حرکت کہا گیا ہے پس آپکو بیجا اعتراض کرنیکی کوئی ضرورت نہیں امید ہے۔ کہ آپ ان تینوں جوابوں کو سُن کر آئندہ اس آیت پر اعتراض کرنیکی جرأت نہ کرینگے۔ اور اگر آپ نے پھر بھی ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ تو پھر سوائے اسکے کہ یہ سمجھ لیا جائے۔ کہ آپ کو کاٹنے کی عادت ہے۔

ناظرین اب اختلاف نمبرہ کی بھی حقیقت سن لیجئے۔ مختلف فیہ آیات جو مہاشہ جی نے پیش کی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ؁ (ترجمہ) یہ لوگ تجھ سے عذاب کے لیئے جلدی کر رہے ہیں۔ اور اللہ تو کبھی بھی اپنا وعدہ خلاف نہیں کریگا اور کچھ شک نہیں۔ کہ تمہارے پروردگار کے ہاں تم لوگوں کی گنتی

کے مطابق ہزار برس کے برابر ایک دن ہے۔

(۲) سَاَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (سورہ معارج رکوع ۱) (ترجمہ) کسی سائل نے اس آنیوالے عذاب کے متعلق سوال کیا۔ جو کافروں کے لیئے اٹل ہے۔ اُس خدا سے جو فضلوں اور نعمتوں والا ہے۔ ملائکہ اور روح اسکی طرف ایک ایسے دن یا وقت میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

ناظرین! مہاشہ جی فرماتے ہیں۔ کہ "اللہ میاں ہر دو مقامات پر یہ کمی بیشی الفاظ بطرز جداگانہ عذاب قیامت بتلا رہے ہیں۔ مگر بسبب مرض نسیان کے آپنے کہیں ہزار اور کہیں پچاس ہزار لکھ مارا ہے۔" مرض نسیان ہے یا کچھ اور ہے۔ یہ تو آپ ہی کو معلوم ہوگا۔ کہ جنہیں اکثر ہزیان اور بیہودہ اور رزٹل بکنے کی عادت ہے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ آپ آنکھوں کے بھی خوب بینا ہیں۔ اسی لیئے تو آپ کو اندھیرے میں خوب دور کی سوجھی ہیں۔ اور آپ زبان کے بھی خوب شُستہ ہیں۔ جس کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اور جامع صفات پر بھی منہ کھولنا اور ایک آدھ بالشت کی زبان نکالنی شروع کردی ہے۔ یہ باتیں تو آپکے اندرونہ کی اُس اصلیّت کو پبلک پر ظاہر کر رہی ہیں جس کا راقم کو مدتوں سے یقین تھا۔ اور آپکے ہزلیات اور خرافات کو سُن سُن کر خاموش رہتا تھا۔ مگر پبلک چراگاہیں چروانے کے لیئے آپ کی رسّی کا اسقدر دراز چھوڑنا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ اسلیئے اب ہماری کھینچ تان سے بھی آپ کو ذرا ہوشیار اور محتاط رہنا ہوگا۔ یہ تو ہوئی آپکے لیئے تنبیہ۔ اب اپنے اس طبع زاد اختلاف کی حقیقت بھی سُن لیجیئے جس کو کہ آپنے پہلے بھی پیش کیا تھا۔ اور آج پھر پبلک کو محض مغالطہ دینیکے

لیئے پیش کردیا ہے۔ مہاشہ صاحب! ذرا آنکھوں سے دیکھیئے (اگر آپ کو خدا نے کچھ آنکھیں دی ہیں) کہ ان مندرجہ بالا آیات میں قیامت کا ذکر کہاں ہے۔ کہ آپ اسقدر شور مچا رہے ہیں۔ کہ "اللہ میاں ہر دو مقام میں عذاب قیامت کی میعاد بتلائی ہے" غور سے دیکھیئے۔ اور پھر غور سے دیکھیئے۔ کہ آیا ان آیات میں یا انکے ماقبل و آخر ہی میں کہیں بھی قیامت کا ذکر آیا ہے۔ یا یونہی آپ افترا پردازی کرکے نامہ اعمال سیاہ کر رہے ہیں۔ بلکہ آیت نمبر ۱ کے ماقبل کو غور سے پڑھیئے۔ کہ کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ مکے والوں کو دنیا میں عذاب کے متعلق خبر دے رہا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ الخ (ترجمہ) یعنی ان مسلمانوں کو جو قتل کیئے جارہے ہیں۔ اب کافروں سے لڑنیکی اجازت ہے کیونکہ انپر ظلم ہو رہا ہے۔ اور ضرور ضرور اللہ انکی نصرت پر قادر ہے (یہ وہ مظلوم لوگ ہیں) جو صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ ناحق اپنے گھروں سے نکالدیئے گئے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ بیان کرکے کہ بہت سی ظالم قوموں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی۔ اور ہمنے انکو تباہ کردیا فرماتا ہے یَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ . . . وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ط (ترجمہ) یعنی یہ لوگ بھی عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ بیشک اللہ بھی اپنے وعدہ کا خلاف ہرگز نہیں کریگا اور بیشک تمہارے رب کے ہاں تم لوگوں کی گنتی کے مطابق ہزار برس کے برابر ایک یوم ہے۔ یعنی تم جلدی کس بات کی کرتے ہو۔ وہ وقت جو کسی قوم کی تباہی کا خدا تعالےٰ نے مقرر کر رکھا ہے وہ تو ہزار برس ہے۔ اور تم لوگوں کو بت پرستی اور بدکاریوں میں مُبتلا ہوئے ایک ہزار برس ہوگیا ہے۔ اور یہی آخری میعاد ہے۔ جس سے کوئی قوم بھی تجاوز نہ کرسکی۔ اور نہ کر

ناظرین! [illegible] ضرور پڑھیں

سکتی ہے۔ اسی مدت کے اندر اندر ہر ایک سرکش قوم ہلاک کر دیجاتی ہے۔ اب تم جلدی کرو یا نہ کرو۔ وہ مدت گزر چکی ہے۔ یعنی ایک ہزار برس تک تم بت پرستی اور بدی کرتے رہے ہو۔ اور تمہارے پاس ایک نذیر مبلّغ بھی آگیا ہے۔ پس اب دیر کسی بات کی نہیں ہے۔ وہ عذاب آگیا ہے۔

الغرض ان آیات کے ماقبل و آخر سے وضاحت اور صراحت کیسا تھ اظہر من الشمس ہے۔ کہ یہ ہزار برس کی میعاد وہ میعاد ہے۔ جس میں قومیں بدیوں اور سرکشیوں میں بڑھتی جاتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس مدت کے اندر ہی اندر یا اس کے اختتام پر خدا تعالیٰ کا عذاب انہیں تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہ ایک بدیہی صداقت ہے۔ جس کا مصدق ہمارا مشاہدہ ہے۔ مگر مہاشہ جی ہیں۔ کہ نہ آگا دیکھتے ہیں۔ اور نہ پیچھا۔ الٹی سیدھی مارے چلے جاتے ہیں ناظرین! ذرا آپ انکے اخبار کے صفحہ ۷ کو دیکھیئے۔ کہ آپ اپنے دعویکا ثبوت اور دلیل کیا پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ابن عبّاس و عکرمہ و ضحاک و ابن زید بھی اس کے قائل ہیں۔ کہ آیت نمبر ۲ میں جو پچاس ہزار سال کا وقت ہے۔ اس سے وہ قیامت کا ہی وقت مراد ہے۔ اور مفسّر قادری بھی یہی لکھتا ہے۔ اسلیئے صاف ظاہر ہے کہ ہر دو آیات میں عذاب قیامت ہی کی مدّت مراد ہے (از مسافر آگرہ ۱۷۔ فروری ۱۹۱۳ء) بیشک مہاشہ صاحب استدلال اسی کو کہتے ہیں۔ کہ آیت نمبر ۲ کے متعلق تو ثبوت دیا جا رہا ہے۔ اور پھر استنباط اس سے یہ کیا جاتا ہے۔ کہ آیت نمبر ۱ میں بھی عذاب قیامت ہی مراد ہے۔ واہ کیا کہنا آپ کی لیاقت کا۔ پیارے ناظرین! دیکھا۔ یہ قرآن کریم کے اختلافات ثابت ہو رہے ہیں۔ اب بتایئے کہ نسیان ہے۔ یا جنون ہے۔ یا سر پھر گیا ہے۔ آخر کیا ہو گیا ہے۔ کہ قرآن کریم کے اختلافات ثابت کرتے کرتے عقل بھی ماری گئی ہے حضرت! آپ دوسروں کے اقوال کو اتنی جلدی کیوں

ناظرین! عنوان "دونوں کا نفع ہے" والا مضمون ضرور پڑھیں

ے بیٹھتے ہیں۔ اب قرآن کریم کی ذات میں پہلے مدلّل طور پر کوئی نقص ثابت کریں اور پھر خارجی تائیدات کیلئے ہاتھ پیر ماریں۔ آپ کو پہلے چاہیئے تھا۔ کہ آپ پبلک پرآیت نمبر۲ کے ماقبل و آخر میں وہ آیات بتلاتے جن میں خداتعالےٰ نے قیامت کے عذاب کا ذکر کیا ہو۔ اور اگر زیادہ ضرورت سمجھتے۔ تو مزید تائید کے لئے دیگر اقوال بھی نقل کر دیتے۔ ایسا ہی آیت نمبر۲ میں یہ ثابت کرتے۔ کہ وہاں بھی خدا تعالیٰ نے قیامت کا ہی ذکر کیا ہے۔ اور پھر پبلک کو بتاتے۔ کہ اس طرح پر مندرجہ بالا آیات میں اختلاف اور تضاد ہے۔ مگر بجائے ایسا کرنیکے آپ نے توصرف آیۃ نمبر۲ میں مختلف فیہ اقوال سے اتنا بتا کر کہ یہاں پر بعض کے نزدیک قیامت کی میعاد مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک وہ وقت مراد ہے جس میں ملائکہ اور روح دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کرجاتے ہیں فوراً ہی یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ دو آیات میں صریح تخالف ہے۔ اور ساتھ ہی راقم کو بھی دوچار سنادیں۔ کہ بیٹے پبلک کو گمراہ کیا ہے خیر اس کی تو مجھے بالکل پرواہ نہیں۔ اور نہ ہی میں ان گالیوں کا آپکے پاس شاکی ہوں۔ آپ جی بھر کر مجھے اور گالیاں نکال لیں۔ مگر میں اسبات کا افسوس ضرور کرتا ہوں۔ اور پبلک کے نوٹس میں لاکر کہتا ہوں کہ آپ نے یہ کیا احمقانہ حرکت کی ہے۔ کہ آیت نمبر۲ میں یہ بھی ثابت نہ کیا۔ کہ وہاں نمبر دو مختلف اقوال میں سے کونسا قول درست ہے۔ اور پبلک بیچاری کو باتوں ہی باتوں میں یہ دھوکہ دے گئے۔ کہ آیت نمبر۱ اور آیت نمبر۲ میں اختلاف ہے۔ آپ نے آیت نمبر۱ میں یہ ثابت ہی کب کیا ہے۔ کہ وہاں پر بھی قیامت کی میعاد مراد ہے۔ آپ نے تو اُسے چھوا تک بھی نہیں۔ یونہی آنکھیں بند کرکے کہہ دیا کہ یہاں بھی میعاد قیامت مراد ہے۔

مہاشہ جی! کیا آپ یہ امید کرتے ہیں۔ کہ جب تک آپ مندرجہ بالا آیات

ناظرین! عنوان "دو دل کا فیصلہ" والا مضمون ضرور پڑھیں۔

میں کسی اختلاف کو ثابت نہ کرینگے پبلک یونہی اندھادھند آپ کی ژٹلیات اور مزخرفات کو مانتی چلی جائیگی۔ کیا ایکہزار اور پچاس ہزار کو صرف موٹے الفاظ میں ہی لکھ دینے سے پبلک آپکے داؤں میں آجائیگی۔ ہاں۔کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ آخر آپ جانتے ہونگے۔ کہ آپ کے اخبار کے خریدار بھی آپ ہی کی طرز کے ہونگے۔ اسلیئے جو مرضی آئے لکھ جاؤ ایسا ہے کون جو بات کو سمجھ سکے۔ ہاں ذرہ مجھے ہوش سے اس سوال کا جواب دیجیے۔ کہ آپ کے لیئے جو پرمیشر نے پیدا ہونیکا وقت نو ماہ مقرر کئے ہیں۔ اور ایک خرگوش کے پیدا ہونیکے لئے پندرہ دن کی میعاد مقرر کی ہے۔ تو کیا یہ اختلافاتِ اوقات قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کل کو کہیں اپنے پرمیشر پر یہ اعتراض نہ جڑ دینا۔ کہ پرمیشر صاحب! یہ آپنے کیا غضب کیا ہے۔ کہ خرگوش کے پیدا ہونے کی میعاد دوسو ساٹھ دن کم رکھدی ہے۔ کہیں مرض نسیان تو نہیں ہو گیا تھا۔ آپ کے مُنہ سے ایسا اعتراض نکلنا کچھ بعید از عقل نہیں ہے جو باوجود یہ دیکھتے ہوئے کہ ایک آیت میں دنیاوی عذاب کے وقت کا ذکر ہے۔ اور دوسری میں قیامت یا ملائکہ کے عروج کا (جیسا کہ خود آپ ہی نے ثابت کیا ہے) اگر آپ پھر کہتے چلے جاتے ہیں۔ کہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے کیا آپ کے خیال میں یہ چاہیئے تھا۔ کہ جہاں کہیں بھی کسی مدت کا ذکر ہوتا۔ تو اسکو ایک ہزار برس سے ہی ظاہر کیا جاتا۔ اس قسم کی بیہودہ مطابقت اور احمقانہ موافقت اگر دیکھنی ہو۔ تو وید میں جاکر ڈھونڈیے۔ قرآن کریم میں تو ملنے کی نہیں۔ آپکو اگر اس وجہ سے یہ طبع زاد اختلاف سوجھا ہے۔ کہ اللہ تعالے نے ہر دو آیات میں یوم کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ تو یہ خیال آپ کا آپ کی علمی پردہ دری اور بھی وضاحت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔ مہاشہ صاحب! مجھ سے سنیئے! اور لغت کو دیکھ لیں۔ یا کسی علم والے سے ہی پوچھ لیں۔ (اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو) کہ یوم کے معنے خاص چوبیس گھنٹے کے دن کے ہی نہیں ہوا کرتے بلکہ عام

مطلق وقت کے معنے ہوتے ہیں۔ آپ اقرب الموارد دیکھیں۔ یا قاموس یا کوئی اور لغت تلاش کرلیں۔ آپ کو یہی معنی ملینگے۔ کہ قد یراد بالیوم الوقت مطلقاً۔ یعنی یوم سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے۔ اسلیئے ہر ایک لفظ کے معنے اس کے موقعہ اور محل کے مناسب کرنے چاہئیں۔ یہ نہیں۔ کہ آنکھیں میچ کر کہ جہاں کہیں کہ یوم کا لفظ آئے اس کے معنے چوبیس گھنٹے کے سمجھ لیں۔ عقلمند انسان تو ایسی نامعقول حرکت کر نہیں سکتا۔ اور بیوقوف اور احمق آدمی کا ہم ذمہ نہیں اٹھاتے۔ مہاشہ صاحب! اگر ابتک بھی آپ کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔ تو میں ایک دفعہ اور آپ کو ایک موٹے اور آسان طریقے سے ہی سمجھائے دیتا ہوں۔ آپ ذرا غور فرمائیں۔ کہ آیت نمبر ۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ "تیرے رب کا ایک یوم تم لوگوں کے ہزار سال کے برابر ہے"۔ اور آیت نمبر ۲ میں (ابن عباس کے قول کے مطابق) یہ بیان ہے کہ "وہ عذاب ایک ایسے یوم میں واقعہ ہونیوالا ہے۔ کہ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ اب دیکھیئے۔ کہ ان آیات میں کونسا مختلف فیہ بیان ہے۔ کہ آپ کو اعتراض کی سوجھ گئی۔ کیا خدا نے دوسری آیت میں یہ بیان کر دیا ہے کہ تیرے رب کا ایک یوم پچاس ہزار سال کا ہے۔ نہیں۔ بلکہ وہاں تو صرف اتنا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ آنیوالا عذاب ایک ایسے وقت میں آئیگا۔ کہ جس کی میعاد پچاس ہزار سال ہے۔ مہاشہ صاحب! نہ تو آپ موقعہ دیکھتے ہیں اور نہ محل بس کوئی آیت سامنے آئی اور آپ کو اعتراض تراشنے کی فکر پڑ جاتی ہے میں سچ کہتا ہوں۔ اور ناظرین کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ یہ آیات بینات ایسی بدیہی اور صاف تھیں۔ کہ اگر آپ کو یوم کے معنے معلوم نہ بھی ہوتے تب بھی کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ آپ کے کسی گوشۂ دل میں کوئی اعتراض خلجان کرتا کیونکہ ہر دو آیات میں مختلف الزمان اور مختلف المکان عذابوں کا ذکر ہے۔ ایک ہی عذاب کی میعاد کا ذکر نہیں۔ جیسا کہ آیت نمبر ۲ میں خود آپ نے عذاب قیامۃ

تسلیم کیا ہے۔ اور آیت نمبر ۱ میں (جس کو آپ بھول ہی گئے تھے) ہم نے عذاب دینا مراد ہونا ثابت کر دیا ہے پس ایسی متبادر الی الفہم اور روشن صداقت کے باوجود بھی آپ لوگوں کو اسلام کی مخالفت کے جوش میں نہ معلوم کہ کیا ہو جاتا ہی۔ کہ جو کچھ اناپ شناپ مُنہ میں آتا ہے۔ بک دیتے ہیں۔ اسبات کی مطلقاً پروا نہیں۔ کہ کل کو پبلک ان افترا پردازیوں اور روبا بازیوں کی حقیقت طشت از بام ہونے پر آپ کی نسبت کیا خیال کریگی۔

الغرض ناظرین اسی طرح پر مہاشہ صاحب کحل الجواہر کی پھبتیاں اڑاتے اور قافیہ بندی کرتے ہوئے کل چھ طبع زاد اختلافات پر تک ہی پہنچ سکے ہیں جن میں سے پانچ اختلافوں کی قلعی تو مینے دوبارہ کھولدی ہے اور باقیماندہ کی حقیقت چونکہ مینے تشحیذ ۱۱؍ سنہ ۱۹ء کے پرچے میں بوضاحت لکھدی تھی۔ اور ان کا جواب مہاشہ صاحب نے بھی کچھ نہیں دیا ہے۔ ہاں چھٹے اختلافات کو صرف دوبارہ نقل کر کے یہ پھبتی ضرور اڑائی ہے۔ کہ صاحبزادہ صاحبکو اگر یہ بیّن اختلاف نظر نہ آوے۔ تو کحل الجواہر استعمال کریں۔ اللہ میاں دو چند وعدے پر قرض مانگتا ہے۔ اور اور ونکو سود لینے سے منع کرتا ہے" جسکے جواب میں صرف اتنا کہدینا کافی سمجھتا ہوں۔ کہ قرض پنجابی لفظ نہیں کہ مہاشہ صاحب اودھار کے معنے سمجھ رہے ہیں بلکہ عربی لفظ ہے۔ جسکے معنی (القرض ضربٌ من القطع) کاٹ کر الگ کرنے کے ہیں قینچی کو بھی مقراض اسی لیئے کہتے ہیں۔ کہ وہ کاٹتی ہے۔ قرآن کریم میں قرض جہاں کہیں بھی کہ استعمال ہوا ہے۔ وہاں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنیکے ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور اودھار کے لیئے الگ دین کا لفظ آیا ہے۔ پس یہ مہاشہ صاحب کی عین جہالت اور حماقت ہے کہ وہ من یقرض اللہ قرضاً حسناً کی پاک تعلیم کو حرمت سود کے مخالف تبلاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی عقلمند اور ذی فہم

انسان بھی انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم اور حرمت سود کی تعلیم کو آپس میں متضاد نہیں کہہ سکتا۔ غرض مہاشہ صاحب صرف چھ اختلافات تک ہی پہنچ کر باقی تنقید کے لئے عدم ضرورت کا عذر پیش کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہمارے ناظرین خوب سمجھتے ہیں۔ مہاشہ صاحب! عدم ضرورت اور فرصت کا خیال جانے دیجئے ابھی تو آپنے "بارہ ہزار اختلاف" میں سے کل گیارہ ہی بتلائے ہیں اور پھر ان کا بھی فیصلہ نہیں ہوتے دیتے۔ آپ نے ہمارا قرض کھرے داموں میں ادا کرنا ہوگا۔ اب آپ کھسکتے کہاں ہیں۔ مرد میدان بنیں۔ اور جس بات کا دعویٰ کیا تھا۔ اسکو ثابت کریں۔ ورنہ آپ پبلک کی نظر میں مفتری اور دروغگو اور بھگوڑے ثابت ہونگے۔

سید ولی شاہ اسسٹنٹ ایڈیٹر۔ م

انجمن نے سنہ ع حال میں قواعد انجمن تشحیذ الاذہان تو بدستور سابق ہی رکھے ہیں مگر بجٹ میں ترمیم و تنسیخ کی ہے جو ذیل میں درج ہے

تخمینہ بجٹ آمد انجمن تشحیذ الاذہان برائے سنہ ۱۹۱۱ع

الف تخمینہ بجٹ آمد انجمن تشحیذ الاذہان بابت سنہ ۱۹۱۱ع

نمبر شمار	نام صیغہ	ہ	تخمینہ مد	تخمینہ صیغہ	کیفیت
۱	دفاتر انجمن	چندہ ممبری	۷۰	۷۰	
۲	رسالہ	فروخت رسالہ	۲۱۰۰	۲۱۰۰	
۳	دارالکتب احمدیہ	چندہ اعانت	۴۰۰	۴۰۰	
۴	کاتب	اجرت	۲۴۰	۲۴۰	
۵	اشتہارات	اجرت	۳۰	۳۰	کل میزان دو ہزار آٹھ صد چالیس روپیہ ۲۸۴۰

(ب) تخمینہ بجٹ خرچ انجمن تشحیذ الاذہان سنہ ۱۹۱۱ء

نمبر	نام صیغہ	مد	تفصیل	تخمینہ بجٹ خرچ — تفصیل	تخمینہ بجٹ خرچ — مد	تخمینہ بجٹ خرچ — صیغہ	کیفیت
۱	دفاتر انجمن	دفاتر سائر خرچ	.	.	۵۵	۵۵	
۲	.	.	دفتر سیکرٹری	۴۰	.	.	
۳	.	.	دفتر محاسب	۵	.	.	
۴	.	.	دفتر ناظر	۵	.	.	
۵	.	.	دفتر امین	۵	.	.	
۶	رسالہ	.	.	.	.	۲۳۴۲	
۷	.	عملہ	.	.	۷۹۲	.	
۸			اسسٹنٹ ایڈیٹر	۳۰۰	.	.	
۹			کلرک	۱۸۰	.	.	
۱۰	.	.	چپڑاسی	۹۶	.	.	
۱۱	.	.	کاتب	۲۱۶	.	.	
۱۲	.	طبع	.	.	۸۹۰		
۱۳	.	.	کاغذ	۳۰۰	.	.	
۱۴	.	.	کتابت	۱۴۴	.	.	
۱۵	.	.	چھپوائی	۳۸۰	.	.	
۱۶	.	.	متفرق	۶۶	.	.	
۱۷	.	سائر اخراجات	.	.	۴۶۰	.	
۱۸	.	.	ٹکٹ و ڈاکی رسالہ	۳۰۰	.	.	
۱۹	.	.	متفرق سائر مینیجر	۱۴۰	.	.	
۲۰	.	.	سائر ایڈیٹر	۲۰	.	.	
۲۱	.	سامان اسباب	.	.	۵۰	.	
۲۲	.	لائبریری ایڈیٹر	.	.	۱۵۰	.	
۲۳	.	.	کتب	۱۰۰	.	.	
۲۴	.	.	اخبارات	۵۰	.	.	
۲۵	دارالکتب احمدیہ	.	.	.	.	۳۲۵	
۲۶	.	مرتب کتب	.	۷۵	.	.	
۲۷	.	اسباب	.	۱۰۰	.	.	
۲۸	.	کرایہ مکان	.	۱۰۰	.	.	
۲۹	.	متفرق خرچ	.	۵۰	.	.	

پریزیڈنٹ
مرزا محمود احمد

کل میزان
(۲۷۲۲) دو ہزار سات سو بائیس روپے

سیکرٹری
محمد اسحٰق

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۶۴

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئیں عجب دوائیں جو ۲۶ برس سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں؟

کھانسی کی دوا

یہ دوا چاہو کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو آرام کرتی ہے اس میں یہ فوائد ہیں (۱) سردی سے بچانا (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھا کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی بیس خوراک عمر پکنگ و محصولڈاک ۵ر چھوٹی شیشی سولہ خوراک ۸ر پکنگ و محصولڈاک ۵ر

اس دوا پر مہاراجہ دلگجن سنگھ صاحب کی رائے۔

دیوان بہادر نیو ڈپٹی چیف پٹنہ اسسٹنٹ بولاگیر ضلع سمبھلپور سے لکھتے ہیں جناب من آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کے لیئے مشکور ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل رفع ہو گئی مجھے صرف خوراک سے زیادہ پینے کی درکار نہوی کھانسی مجھے بہت دنوں سے تکلیف دے رہی تھی اسواسطے دوبارہ آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دردسر و ریاح کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں پیدا ہو جاتا ہے یہ دوا لحظہ میں اسکو پانی کر دیتا ہے۔ درد ریاح جیسے ہیں ٹیک چپک گوں بھر میں کنگھی سی جو کہیں چٹچٹاتے ہو تو اس دوا سے آرام ہو جاوگے چاہی جسم کے کسی حصہ میں ایسا درد ہو اس دوا سے مٹجائیگا۔ دردسر کیواسطے اس دوا کا ایسا ہی فائدہ نصف سر میں تمام سر میں کیسا ہو کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہو جاتا ہے اور پھر یہ بھی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو اڑا جاتا ہو اس دوا سے فوراً بند ہو جاتا ہے ان دنوں لوگ ذرا ذرا باتوں میں سوکھا یا کرتے ہیں کام یا محنت کی باتوں میں فکر تردد میں عیش و عشرت میں ذکر رات اور دن بنایا کرتے ہیں کل شکایتیں سر پر آجاتی ہیں اور ہاے دردسر پکارا کرتے ہیں ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کے لیئے اسکے استعمال سے خود اور دیگر ہوتا ہی اسلیئے خاص و علم کو یہ دوا گھر میں رکھنا لازم ہے قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی ۶ر محصولڈاک ایک سے ۱۰ ڈبیا تک ۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۹ تاراچند سٹریٹ کلکتہ